سلسلہ کہکشاں نمبر ۵

ثالث بالخیر

یا

لڑکی کی کارستانی

مصنفہ

احمد حکمت

مترجمہ

سید سجاد حیدر بی۔اے (علیگ)

مصنف خیالستان، زہرا، مطلوب حسیناں وغیرہ

سنہ ۱۹۲۱ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور

بار دوم ۱۰۰۰ قیمت ۸/

نذر

ندیم و زاہدی

و یادگارِ

جواں مرگ سلطان

التماس مترجم

میں اس ترجمے کو بہت دھوم دھڑکے سے پیش نہیں
کرنا چاہتا۔ اور نہ اس جرم کی معافی چاہتا ہوں۔ کہ میں نے ناول کو
ترجمہ کیا۔ اور اس طرح پبلک کے مذاق کو ایک مضر شے کی طرف
راغب کیا۔ میرے نزدیک بذات خود ناول کا لکھنا یا پڑھنا کوئی
عیب نہیں۔ ہاں پاکیزہ قسم اور غلیظ قسم کے قصوں میں ضرور تمیز
کرنی چاہئے۔ اور شاید میرا خیال غلط نہو۔ کہ یہ ناول بُری قسم کا نہیں۔
قصوں کے ترجمے آج کل اُردو میں بہت ہو رہے ہیں۔ مگر
سب انگریزی سے۔ اور اس کے عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ
انگریزی سے بھی کس قسم کے ناولوں کے ترجمے ہو رہے ہیں۔
میری تمنا تھی۔ کہ کسی طرح ترکوں کے قصے ترجمہ ہوں۔ اگر

سے نہ صرف ہمارے ناولوں کے لٹریچر میں ایک نئے قسم کا اضافہ ہوگا بلکہ ترکوں کی سوشل زندگی کا اصلی نقشہ بھی ہمیں نظر آئیگا. ترکوں کی سوشل زندگی کی تصویر کی میں اُردو میں اس لئے ضرورت سمجھتا تھا۔ کہ ہماری سوسائٹی اور طرز معاشرت میں جو انقلاب پیش آرہا ہے۔ وہ انہیں بھی پیش آچکا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں اس نقشہ سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس منزل سے وہ کس طرح گزرے اور اب کہاں ہیں +

میری اس تمنا کو ناجرہ کے ترجمے نے پورا کیا۔ مگر باوجودیکہ وہ ایک ترکی خاتون کی تصنیف ہے۔ تاہم انگلستان کی پبلک کے لئے ہے۔ اور اس لئے مجھے خیال ہُوا۔ کہ ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی پہلو نہ دکھایا گیا ہو +

جناب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس دتاولی کے طفیل مجھے ترکی ہیں شدبد ہوگئی ہے۔ اور میں نے ترکوں کی زندگی کی جھلک

ترکی زبان کے ناولوں کے ذریعے سے دیکھ لی + وہی جھلک پبلک کو دکھانے کے لئے ایک قصہ ترجمہ کر چکا ہوں۔ مگر وہ بہت بری حالت میں چھپا۔ اب اسے پیش کرتا ہوں۔ اگر پسند ہوا تو تیسرا بھی تیار ہے +

مغربی معاشرت کے دلدادہ تو اس قصے کو پڑھ کر شاید خوش ہوں گے۔ مگر مخالفین تو یقیناً مکدر ہوں گے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ کیا کیا جائے۔ زمانہ یہی رنگ ہندوستان پر چڑھا رہا ہے ترجمہ اکھڑا اکھڑا اور انوکھا معلوم ہوگا۔ مگر ترکوں کا طرز ادا مجھے کچھ ایسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور مغربی اور ایشیائی طرز تحریر کا ایسا معقول میل ہے۔ کہ میں نے لفظی ترجمے کی کوشش کی ہے گفتگو انوکھی تو ضرور ہے لیکن سنئے تو ؎

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

۱۴۔ اگست ۱۹۰۲ء

سجاد حیدر

(۱)

"اپنے بالوں کو گھونگروالے بناؤ۔ کہ نظر ان میں جا کر پھنس جائے اور باہر نہ نکل سکے"۔

"کیوں کیا اب بُری معلوم ہوتی ہوں؟"

"سیاہ نقاب کے نیچے تم نے اپنے سنہرے بالوں کو قید کر رکھا ہے۔ وہ بیچارے تڑپ رہے ہیں۔ دیکھو کوئی باریک نقاب پہنو"۔

"خاکستری رنگ کی نقاب پہن لوں؟"

"یہ گلرنگ چہرہ خاکستری نقاب کے نیچے اکیا غضب ب

کرتی ہو۔ اپنے چہرے پر یہ ظلم!"

"واہ جو میں کہتی ہوں۔ وہ سب تمہیں ناپسند ہے۔ تو اے لو تمہیں جو چاہو مجھے پہناؤ۔"

"آؤ آج تو آنکھوں میں سرمہ لگاؤ۔ پلکوں کو اس قدر سیاہ کرو کہ اُن میں سے تمہاری نظر نکلے۔ تو نور مخمور کی طرح نکلے۔ اور یہ نظارہ سودا زدہ دلوں کو پاگل بنادے۔"

"اچھا اچھا آؤ تمہیں آؤ۔ تمہیں میری آنکھوں میں سرمہ لگاؤ کپڑے پہناؤ۔ لو میں آنکھیں بند کئے لیتی ہوں۔ جتنا چاہو سرمہ لگاؤ۔ جیسے چاہو کپڑے پہناؤ۔ لو میں تو گڑیا بنی جاتی ہوں آج تمہارے ذوقِ سلیم کو بھی دیکھنا ہے۔"

یہ کہہ کے مہربان نے آنکھیں بند کرلیں اور ہنس کے اس طرح کرسی پر بیٹھ گئی۔ گویا اپنے تئیں اپنے خاوند کے سپرد کر دیا۔

اس کے خاوند رمزی نے ہاتھوں میں سرمہ دانی لے کے۔ اور

اُس کی پلکوں کو کھول کے اُن نیلی آنکھوں میں ایک خط سیاہ کھینچ دیا۔
"لو اب تو جیسا چاہتے تھے۔ ویسا سرمہ لگا دیا؟"
"ہاں ہاں۔ مگر ذرا یوں ہو بیٹھو۔ تمہاری آنکھوں میں اپنی نظر ڈالوں۔ اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں دو۔ اس طرح۔ ہاں اس طرح۔ تمہاری آنکھوں کو اپنی آنکھوں سے چوموں"۔
بشیری یہ کہہ کر کہ مرد کی آغوش عورت کے لئے بس اسی طرح کھل جاتی ہے۔ جیسے پھول سورج کو دیکھ کے کھل جاتے ہیں۔ مہربان کو گود میں لیتا تھا۔ اور اُس کے سنہری بالوں کے نیچے بوسوں کے گرم گرم نشان چھوڑتا تھا۔ اور اُس کی صدف گوں گردن پر اپنے دانتوں کو اس طرح گاڑتا تھا۔ گویا کوئی مخمور میوہ کھا رہا ہے۔ اور پھر بوسوں کا تار باندھ دیتا تھا۔ مہربان نے اس سے تنگ آکر کہا "ہٹو بھی۔ تم نے میرے بال بگاڑ دئے۔ واہ"۔
یہ کہہ کر جھٹ کرسی سے علیحدہ ہو گئی۔

رمزی نے کہا۔ "اس وقت تو ستم ڈھا رہی ہو۔ اُف۔ کیا حسن کا عالم ہے"۔

"تو گویا اس وقت ہی میں حسین معلوم ہوتی ہوں۔ ہر وقت نہیں؟"

"نہیں میں چاہتا ہوں۔ کہ یہ چُہل۔ یہ چُلبلاہٹ تم گھر سے باہر بھی تو دکھایا کرو۔ اس خرام ناز۔ اس دلوں کو پائمال کر دینے والی رفتار میں۔ جب تم باہر جاؤ۔ جب بھی کمی نہ آیا کرے۔ تم تو لوگوں کے سامنے سیر گاہوں میں بالکل جھجک کے رہ جاتی ہو"۔

"جی نہیں میں حسن فروشی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ میں جو کچھ دلربائی ہے۔ جو کچھ خوب صورتی ہے۔ وہ صرف تمہارے لئے ہے۔ اور تمہیں کو دکھانا چاہتی ہوں"۔

"نہیں، نہیں میں اس قدر خود غرض نہیں ہوں۔ جب تم بازار میں سے نکلو میں لوگوں سے یہ سننا چاہتا ہوں۔ کہ کیا حسین عورت ہے؟ رمزی کی بیوی ہے، واہ کیسا خوش نصیب آدمی ہے۔

اور آپس میں سرگوشیاں کریں۔ اُس موتی کا صدف۔ اس پھول کی کامیاب بلبل بھی رمزی ہے "۔

"تم چاہو۔ میں تو نہیں چاہتی۔ لو ان سرگوشیوں سے انہیں محروم رکھنے کے لئے آج ہم باہر نہیں جائیں گے۔ اور آج جو تم نے اپنے ہاتھ سے میرا سنگار کیا ہے۔ یہیں بیٹھ کے تمہیں دکھاؤں گی۔ تم بھی مت جاؤ۔ میں تمہارا دل بہلاؤں گی۔ تمہیں میں کپڑے پہناؤں گی۔ تمہاری مونچھوں کو درست کروں گی۔ اور مزے مزے کی کہانیاں سُناؤں گی "۔

"چلو بھی اس ٹال مٹول سے کیا فایدہ۔ مجھے اس میں لطف آئے گا۔ کہ لوگوں کی رائیں سنوں۔ لوگ تمہیں دیکھ کے کہیں۔ آہ کیا حسن ہے۔ بالکل پری معلوم ہوتی ہے! اور میں بھی یہ خیال کر کے کہ ایک پری کے پیچھے جا رہا ہوں۔ تمہارے پیچھے جاؤں۔ اور یہ سمجھوں کہ پری کا مجبور عاشق اُس کی خوشامد کرتا جا رہا ہے۔ اور

وہ نہیں سنتی۔ آخر کار جب گھر آؤں تو پری میری ہو جاتے"۔

"جانیں کیا بک رہے ہو چپو بھی"۔

"آہ! اس "چپو" میں مہربان خانم کے نہ معلوم کیا کیا راز درونی نہاں تھے۔ اس مسرت کے وقت میں نہ معلوم کیا خیال آگیا تھا۔ جو اس نے منہ بنا کے "چپو" کہا۔ اُس کے دماغ میں فوراً بجلی کی طرح یہ خیال چمک گیا۔ کہ رمزی اس قدر کیوں باہر جانے کا اصرار کر رہا ہے۔ رمزی اُس کمبخت رقیبہ سے ملنا چاہتا ہے اُف! اُف! یہ خیال کرتے ہی اُس کا دل بیٹھ گیا، مگر رمزی اپنی ہی دُھن میں تھا۔ اس نے دیکھا ہی نہیں۔ کہ مہربان پر کیا فوری اثر ہوا۔ وہ اپنے ہی خیال میں مگن تھا۔ اور کہنے لگا:۔

"نہیں۔ چلو چلو۔ اور ہاں چلتے وقت ذرا اکڑ کے چلا کرو۔ حمرا خانم کی چال کی نقل کیا کرو۔ دیکھو وہ تو مجسم عشوہ و ناز ہے کبھی تم نے اُس کی اداؤں کو غور سے دیکھا ہے"

ہائے وہی حمرا۔ رہ رہ کے وہی حمرا! اپنے خاوند کی زبان سے ہر روز ہر رات کہ یہ نام چنگاری کی طرح اُڑ کر مہربان کو جلا کے خاک کر دیتا تھا۔

" لو گاڑی بھی تیار ہو کے آگئی۔ دروازہ پر کھڑی ہے میں تو جاتا ہوں۔ دیا سکر یس جاؤں گا۔ آج وہاں بہت رونق ہے"۔

✻

(۲)

مہربان خانم ایک بڑے امیر کی لڑکی تھی۔ جو رہنے والا تو ولایات شاہانہ (ٹرکی) کے کسی گاؤں کا تھا۔ مگر اس نے نقل مکان کر کے قسطنطنیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کے باپ نے قسطنطنیہ میں بڑی ٹیپ ٹاپ سے زندگی بسر کرنی شروع کی۔ اور شہر کے اُمرا سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ جب مہربان کی عمر شادی کے قابل ہوئی۔ تو بہت سے امیر گھرانے اس کے طالب ہوئے۔ آخر کار بہت قیل وقال کے بعد رمزی کے ساتھ مہربان کی شادی ہوگئی۔ شادی کے دن کئی آگبوٹ عورتوں سے بھر کر مہربان کے

باپ کے گھر گئے۔ اور ان میں سے ہر عورت تفتیش حالات میں ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کے رہنا چاہتی تھی، اُس دن کے بعد سے ایک مہینہ تک استنبول کے کل حرم سراؤں میں اس شادی کا چرچا رہا، سب کہتی تھیں۔ کہ ثروت اور اصالت اس طرح ملی۔ بہت خوب ہوا۔ لیکن دُلھن تو بالکل گڑیا معلوم ہوتی ہے۔ دولہا بھی ابھی چھوٹا ہی ہے۔ مہربان کے باپ نے استنبول میں آتے ہی لڑکی کو پوری پوری تربیت و تعلیم دینے کی غرض سے اپنے گھر کو جرمن گورنسوں۔ اور فرانسیسی مُعلّمہ۔ اور اٹیلین موسیقی کی اُستانیوں کا جولانگاہ بنادیا۔ مہربان نے بھی اُستانیوں کے اس ہجوم سے پورا فایدہ اُٹھایا۔ اور سترہ اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ کہ زبان اور موسیقی وغیرہ میں پورا کمال حاصل کرلیا۔ اور قصباتی شرم و جھجک کو بالائے طاق رکھ کے شوخ و شاطر شہری لڑکی بن گئی، مگر پھر بھی اتنی نہیں جتنی کہ اُس کے شوہر کی خواہش تھی۔

اُن واقعات کے بعد جن کا ذکر ہم نے شروع ہی میں کیا ہے یعنی جبکہ رمزی اور مہربان میں مزے مزے کی باتیں ہونے کے بعد ایک رقیبہ کا خیال کر کے اور پھر نام سُن کر شکر رنجی ہو گئی تھی۔ اور رمزی مہربان کو اکیلا چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ مہربان کے دل میں کچھ خیال پیدا ہُوا۔ اور اُس نے اپنی ساس سے کہا:۔

"اس وقت اکیلے طبیعت گھبراتی ہے۔ چلیئے کہیں سیر کر آئیں"۔

ساس بھی جانا چاہتی تھی۔ اس لئے فوراً گاڑی تیار کرا کے دونوں روانہ ہو گئیں۔ مہربان کے لباس کی بھڑک سے خیال ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اُس وقت نہایت خوش ہے۔ مگر نہیں۔ نہایت عمیق یا یوسانہ خیالات اُس کے دل میں موجزن ہیں جنہیں بیشک وہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ گاڑی ایک نہایت خوشنما سڑک پر جا رہی ہے۔ جس پر دو طرفہ درختوں کی شاخوں کا سایہ پڑ رہا ہے۔ گاڑی کے قیمتی گھوڑے ایک غرور کے انداز کے ساتھ دُم اور سر اُٹھا کر چل رہے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک باغ میں پہنچی۔ جہاں رنگا رنگ کے پھول نیچر کی صناعی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مگر یہ پھول اس وقت بھی کانٹوں کی طرح مہربان کی روح کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ آخرکار گاڑی دیاسکولوس کی سڑک پر پہنچ گئی۔ اس سڑک کے ایک کنارے پر ایک فرنچ وضع کا مکان بنا ہوا ہے۔ جب گاڑی اس مکان کے سامنے سے گزری۔ تو مہربان کی ساس نے جو اب تک گاڑی میں مہربان کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ ایک مستہزی نظر کے ساتھ اپنی سیاہ ابروئیں اُٹھا کر مہربان سے کہا۔ "دیکھو، دیکھو۔ قمرا اور حمرا انہیں پکار رہی ہیں"۔

اور یہ کہہ کے کوچوان کو گاڑی ٹھیرانے کا اشارہ کیا۔

فوراً ہی مکان میں سے دو لڑکیاں بائیں باغ کے آہنی بنگلے دروازے کو کھول کر اس طرح اُچھلتی کودتی چہچہاتی۔ پھڑ پھڑاتی ہوئی باہر آئیں۔ جیسے دو کنیری (ایک قسم کی چھوٹی چڑیا) اپنے ہلکے

پنجرے میں سے نکلیں۔ اور گاڑی کے پاس پہنچ کے اس غرض سے کہ مہربان کی ساس مہربان کو اُن کے پاس چھوڑ جائے۔ طرح طرح کے بہانے اور طرح طرح کے فقرے گھڑنے لگیں۔ جب کچھ نہ چلی۔ تو قمرا ہنس کے کہنے لگی۔ کہ "آج تو ہم بہو کو ساس کے پنجے سے چھڑا کر رہیں گے۔ اور یہ کہہ کے زور سے مہربان کو گاڑی میں سے باہر کھینچ لیا۔ اور ساس کو مخاطب کر کے کہا "ایک آدھ گھنٹے کے لئے انہیں آپ، ہمارے پاس چھوڑ جائیں گی۔ تو کیا بُرا ہو گا۔ آپ جب سیر سے واپس آئیں تو انہیں لیتی جائے گا"۔ جب ساس نے مسکرا کے اجازت دی۔ تو حمرا کہنے لگی۔ "تسلیم اس اجازت کا شکریہ قبول کیجئے۔ ہمیں مہربان سے بہت باتیں کرنی ہیں"۔

پھر دونوں مہربان کو لے کے پائیں باغ میں پہنچ گئیں۔

مہربان اپنے تئیں ان دونوں بہنوں یعنی حمرا اور قمرا کے درمیان پانے سے کچھ خوش نہیں ہوئی۔ بلکہ اُسے ایسا معلوم ہوا

کہ گویا ایک عذاب کی تکلیف میں مبتلا ہو گئی۔ اور اُسے بات کرنے
کی بھی تاب نہ رہی۔ مگر فوراً ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی طبیعت
کو سنبھالا۔ حمرا نے مہربان کے سنگار اور زینت پر ایک پرکھنے والے
کی تیز نگاہ ڈال کے کہا۔ "بہن۔ یہ نئی گون ابھی سلوائی ہے؟ مگر یہ
تو کہو کہ سُرخ رنگ کی گون تم کب سے پسند کرنے لگیں؟"

مہربان۔ "یہ بکٹ[1] کی پسند ہے۔ میری پسند نہیں"۔

قمر اور حمرا۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔ اور حمرا کہنے لگی۔ "آپکے بکٹ
کے حسن طبیعت کا کیا کہنا۔ ابھی ادھر سے گزرے تھے۔ سر پر اس
سے بھی زیادہ سُرخ ٹوپی تھی۔ جو بانکی طور پر رکھی ہوئی تھی۔ اور بھوؤں
تک کو ڈھک رہی تھی +

اتنے میں رمزی بھی سیر سے واپس ہوتا ہوا اُدھر سے گزرا۔
اور چاہتا تھا۔ کہ اپنی گاڑی ٹھیرا لے۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ اپنی بیوی
کو حمرا اور اُس کی بہن کے ساتھ دیکھ کے اُسے خیال پیدا ہوا۔ کہ

[1] یعنی رمزی +

اس موقع سے فایدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اور وہاں چل کے باتیں کرنی چاہیئیں۔ مگر پھر جھجک گیا، ادھر اُسے یہ تردد اور اضطراب تھا۔ اور اُدھر سے قہقہوں پر قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ یہاں تک کہ اُس نے یہ بھی سُنا۔" واللہ دیکھا آپ نے اِس وقت یک بیک ہمارے پاس آنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ مگر نہ معلوم کیوں بھاگ گیا"۔ تھوڑی دیر تک یہ تینوں (مہربان حمرا و قمرا) خاموش بیٹھی رہیں، آخرکار حمرا نے مہر خاموشی کو یہ کہہ کے توڑا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ رمزی کے ساتھ زیادہ باتیں کرنے سے مجھے کیوں روکتے ہیں! رشتہ داروں سے بھاگنا کیا معنے رکھتا ہے! کیوں مہربان"؟

مہربان۔ "بیشک"۔

بعض وہ جملے جنہیں زبان ادھورا ہی چھوڑ دیتی ہے۔ آنکھیں ان کی تکمیل اور ابرو اُن کی تفسیر کرتی ہیں، مہربان کے اس ناتمام

اور مبہم جملے نے بھی اسی طرح اپنا کام کیا۔ "بیشک" کہتے وقت مہربان کا ہاتھ گون کی تہوں کو موڑ رہا تھا۔ مگر اُس کی آنکھوں سے ایسی داد خواہ اور الم انگیز نظر نکلی۔ جس نے فوراً حمرا و قمرا کے مذاق کو بند اور اُن کی شوخی کو زایل کر دیا ؛

اِس نظر کی روشنی اُس شعلے سے حاصل ہوئی تھی۔ جو دل جیسے بنائے سعادت خیز میں جل رہی تھی ؛ اور یہ نظر ایک چنگاری تھی۔ جس نے مہربان کی ان دونوں چچیری بہنوں حمرا و قمرا، ان دونوں رقیبوں کی شوخی و شرارت۔ ان دونوں کی تکلیف دہ طعنہ زنی اور استہزا کو جلا کے خاک کر دیا اور اُس جرأت کی تخریب کر دی۔ جس کے ذریعے سے وہ بیچاری مہربان کی صاف دلی سے فایدہ اُٹھا کر اُس کے نازک دل کو جس میں سوائے اپنے خاوند کے اور کسی کی محبت نہ تھی۔ ٹھیس لگا رہی تھیں ؛

حمرا نے جب دیکھا۔ کہ مہربان کا اس وقت مزاج بگڑا

ہوا ہے۔ اور اس لئے میری خوش طبعی جاری نہیں رہ سکتی۔ تو فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کہنے لگی" اِس خوشگوار ہوا میں مینخ کی طرح بنچ پر گڑ جانا کیا مہمل بات ہے۔ اور کچھ نہ سہی تو باغ ہی میں ٹہلیں۔ بھوک کھلے گی"۔

اس پر دونوں بہنیں اُٹھ کے باغ میں ٹہلنے لگیں۔ اور اس وقت مہربان کا خیال اُن دونوں کے لباس اور زینت کی طرف گیا۔ حمر ابنگال کے گلابی ریشم کا ایک نہایت گھیردار گون پہنے ہوئے تھی۔ جس میں سرتاپا چُنٹیں اور تہیں تھیں۔ سر پر ایک نہایت عمدہ کام کیا ہوا رومال تھا۔ اور ہاتھ میں ایک نازک سُرخ ریشمی چھتری تھی۔ جسے اُس نے اس وقت آفتاب کی آخری ضعیف شعاعوں سے بچنے کے لئے جو درختوں میں سے چھن چھن کے آرہی تھیں۔ کھول لیا تھا۔

سر کے ریشمی رومال کے نیچے سے نکل کر تھوڑے سے گھونگر

والے سنہرے بال پیشانی اور رخساروں پر آگرے تھے۔ اور ہوا میں لہرا رہے تھے۔ حمرا کی بہن قمرا کا سنگار بھی قریب قریب اسی طرح کا تھا۔ مگر اُس کی گون زرد رنگ کی تھی۔

مہربان نے ان دونوں بہنوں کے لباس کی بھڑک اور آرائش دیکھ کے اپنے دل میں سوچنا شروع کیا۔ کہ میرے خاوند پر ان کا کیا اثر ہوتا ہوگا؟ اُس نے خیال کیا۔ کہ جب رمزی ان کے سنگاران کی تہ بہ تہ گون۔ ان کے لہراتے ہوئے سنہرے بالوں کو دیکھتا ہوگا۔ تو ضرور یہی کہتا ہوگا۔ "ایک سرخ اور ایک زرد قیریزانتھم (ایک قسم کا پھول) ہے"۔

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ حمرا اپنے حسن پر مغرور اور اپنی اداؤں کی قوت سے واقف تھی۔ تاہم حق یہ ہے۔ کہ اسے کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا۔ کہ مہربان کے خاوند کو اپنے دام میں لانا چاہیئے۔

عورت کو فتوحات حسن کا وہ شوق ہوتا ہے۔ کہ کیسے با شعور

اُسے اپنی اداؤں کی فوج اور حسن کی باڑھ سے اُس پر حملہ کرنا ضرور چاہیئے۔ اس کے نتائج کیسے ہی کچھ ہوں۔ مگر اُسے تو لوگوں کو چکاچوند میں ڈالنے سے کام ہے۔ اور عورت کی ذات میں یہ شوق اس قدر عام اور اس درجے تک پہنچ گیا ہے۔ کہ اب وہ اُسے بالارادہ عمل میں نہیں لاتی۔ بلکہ از خود اُس سے سرزد ہوتا ہے۔ اسی طرح حمرا نے رمزی پر جو اثر ڈالا تھا۔ وہ نہ اس غرض سے تھا۔ کہ اپنی بی بی کو چھوڑ دے۔ اور نہ اس لئے کہ وہ رمزی کو چاہتی تھی۔ نہیں بلکہ محض چہل اور چلبلاہٹ اس کا باعث تھی۔ عورت کی چالوں کو عورت ہی خوب سمجھتی ہے۔ اور مہربان کی نظر نے فوراً تاڑ لیا۔ کہ میرے خاوند کا آطہ[1] میں آنا اس کے لئے مناسب نہیں۔ اس نے ایک نظر میں دیکھ لیا۔ کہ یہ الھڑ شہر پر چھوکریاں اپنی حسن فروشی کی دھن میں بلا سبب خود بھی بدنام ہوں گی۔ اور میرے

[1] اس مقام کا نام ہے جہاں حمرا کا مکان تھا۔

خاوند کو بھی بدنام کردیں گی۔ پس اس نے ارادہ کرلیا۔ کہ اپنے رفیق حیات یعنی رمزی کو اُن دشمنوں سے جو بظاہر چچیری بہنیں ہیں۔ بچاؤں گی۔ اور اُن کے ریشمی لباس کی سرسراہٹ کو جو رمزی کی زندگی کے امن کے لئے سانپ کی پھنکار سے کم نہیں۔ اور ان کے جانسوز چہروں کو ایک ناقابل بیان تحقیر کی نظر سے کچل کر وہاں سے بھاگوں گی۔ اور اپنے خاوند کو اُن کے ہاتھ سے چھڑا کر لے جاؤں گی۔

یہ سب خیالات مہربان کے دل میں چار سنٹ کے وقفہ میں گزر گئے۔ جب وہ باغ میں ٹہل رہی تھی۔ حمرا نے پھر اس خاموشی کو توڑنے کی غرض سے کہا "دو ہفتے کے بعد تم آطہ میں آئی ہو۔ یہ کیا بات ہے؟"

مہربان۔ "میں آطہ کو بالکل پسند نہیں کرتی"۔

حمرا۔ "مگر برخلاف اس کے رمزی بیگ تو آطہ کے عاشق ہیں"

شاید تم سے نہ کہتے ہوں۔ ورنہ وہ یہاں ہر جمعہ اور اتوار کو آتے ہیں۔ کبھی ہم سے ملتے ہیں۔ کبھی والد کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر دریا کی سیر کو چلے جاتے ہیں۔ غرض کہ آٹھ میں اُن کے چکر اکثر لگتے رہتے ہیں۔ تم جس قدر آدمیوں سے بھاگتی ہو۔ اتنا ہی انہیں سوسائٹی کا شوق ہے۔ جب ہمارے ہاں آتے ہیں تو سلاملک میں والد کے پاس شروع میں جاتے ہیں۔ اور وہیں سے اُن کے قہقہوں کی آواز اس قدر زور شور سے آتی ہے۔ کہ ہم بھی خود بخود ہنسنے لگتے ہیں۔ باوجودیکہ ہمیں خبر نہیں ہوتی۔ کہ وہ کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ ایسے آدمی بہت لاپرواہ ہوتے ہیں۔ بہن میں ایک بات کہتی ہوں۔ تمہیں اُن سے خبردار رہنا چاہیئے ؛

مہربان اس آخری چوٹ کی برداشت نہ کر سکی۔ اور اُس نے تڑپ کے جواب دیا "مجھے تو نہیں۔ مگر ان کو جو رمزی کے پیچھے

دیوانی ہوگئی ہیں۔ ضرور خبردار رہنا چاہیئے" غرض کہ اس طرح اِن دونوں رقیبوں کے درمیان صاف صاف اعلان جنگ ہوگیا۔

اسی عرصہ میں مہربان کی ساس کی گاڑی باغ کے دروازے کے سامنے آکر رُکی۔ اور ساس نے مہربان کو آواز دی۔ مہربان نہایت سوکھے طور پر حمرا و قمرا سے رخصت ہونا چاہتی تھی مگر وہ دونوں گاڑی تک ساتھ آئیں۔ اور حمرا ہنس کے کہنے لگی۔ "افندم آپ کی بہو توآطہ کو بالکل ہی ناپسند کرتی ہیں۔ کسی طریقہ سے ان کی یہ نفرت دور کرا دیئے"۔

(۳)

مہربان اپنے گھر لوٹتے ہی اس کمرے میں گئی۔ جہاں اسکی لڑکی اپنی دایہ کی گود میں کھلونا ہاتھ میں لئے ہوئے کھیل رہی تھی، اپنی ننھی ننھی جیتی جاگتی گڑیا کی صورت دیکھتے ہی جس کی سیاہ پتلی بالکل مرزا کی پتلی سے مشابہ تھی مہربان کی آنکھوں سے وہ آنسو رواں ہو گئے جو اپنی معصوم اولاد کو دیکھ کر کبھی کبھی کسی خاص خیال سے ماؤں کی آنکھوں سے خاموشی کے ساتھ نکل پڑتے ہیں، ہم جیسا پہلے لکھ چکے ہیں۔ مہربان کو یہ خوف تھا۔ کہ میرا خاوند جو جوان اور ناتجربہ کار ہے کچھ تعجب نہیں۔ جو حمرا جیسی الھڑ۔ بیچپن۔ کھلاڑ۔ شوخ و طرار عورت کو

دیکھ کے اُس کی آرایش و نمائش اور چمکدار شوخ متجسس آنکھوں کا مقابلہ
نہ کر سکے۔ اور اُسے اپنے دل پر قابو نہ رہے۔ اور آخر کار ایک دن اپنی
طمانیت روح و دل کھو کر مصیبت و فلاکت کے خوفناک اور تاریک
اور عمیق گڑھے میں لُڑکتا چلا جائے۔ اور اپنے ساتھ اپنی اولاد اور
اپنے ارکان سعادت کو بھی تباہ کرے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے
اُس خوفناک حالت کی تصویر کھنچ گئی۔ اور نوعمر ناتجربہ کار مگر نیک
خصال عورتوں کی طرح اُس نے غرور نسوانی کے ساتھ پھر یہ پُرحوصلہ
تہیہ کر لیا۔ کہ اس گڑھے کے کنارے پر سے اُس پیارے اُس
حسرت زدہ اُس بکّے بکّے رمزی کو اپنے ضعیف ہاتھوں سے
واپس کھینچ لاؤں گی۔ اور اُس قعر مذلت میں جو عفریت و عقرب و
بلیات مُنہ اٹھائے منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے مُنہ
پر تھوک دوں گی" +

یہ تمام خوف و خطرات مہربان جیسی عورت پر اپنا اثر کرنے

سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ اور جس وقت اُس نے اپنے خاوند کو بچانے کا ارادہ کیا اُسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا وہ ایک عظیم کام اپنے ذمے لے رہی ہے۔ تاہم کبھی کبھی اُس کے دل میں ایک جرأت پیدا ہوتی۔ جو اُس کی مایوسی پر غالب آجاتی۔ اور وہ ایسی ہمت محسوس کرتی۔ جس سے اُس کا دل چاہتا تھا۔ کہ ابھی میدان جنگ میں کود پڑوں۔ اور حمرا کو للکار کے پکار دوں۔ پھر کبھی ہنستی کبھی روتی اور اپنے جگر پارے یعنی لڑکی کو سینے سے لگا کے کہتی "تیرے پیارے باپ کو لوگ تجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوگا۔ تو اُسے جانے نہ دیگی"۔ اور اس وقت اُس کی آنکھوں سے وہ برق غضب نکلتی۔ کہ اگر حمرا اُس کے سامنے ہوتی۔ تو شاید وہیں بھسم ہو کر راکھ رہجاتی۔

وہ غصہ جو رقابت عشق سے پیدا ہوتا ہے۔ ہمیشہ پوشیدہ طور پر زندہ رہتا ہے۔ اور رقابت کی آگ کو بھڑکاتا ہے۔ وہ دل کے ایک کونے میں دل کی تاریکی سے صلح کر کے ملال کے ساتھ ترقی کرتا رہتا

ہے۔حس اور روح اُس کی دو آشنائے ہجراں ہیں۔ اور دونوں اُس کے مددگار ہ۔

عورتیں دُنیا کی سب باتیں اور سب مصیبتیں ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیں گی۔ مگر یہ کہ حسن کے معاملہ میں کوئی اُن سے بڑھ چڑھ کے رہنا چاہے، صرف وہ رقابت جو حسن کی کشمکش سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس سے اُن کی عزت نفس پائمال ہوتی ہے۔ عورتوں کو سب سے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔ اور اکثر موقعوں پر عورتوں کی رنجیدگی۔ جس کا کوئی باعث نظر نہیں آتا۔ اور جس کو دیکھ کر مرد حیران و پریشان ہوتے ہیں۔ اسی پر مبنی ہوتی ہے +

اب مہربان اکثر نہایت غمناک خیالات میں غرق رہتی۔ اور اُس کی نظر کے سامنے یہ نقشہ کھنچ جاتا۔ کہ مصیبت اک اک قدم بڑھائے اس کی طرف آ رہی ہے۔ اور وہ اس سے خوف زدہ ہو کر چلا اُٹھتی مگر اُس کی لڑکی کی آواز جو کونے میں بیٹھی ہوئی اپنی گُڑیا سے کھیلتی

اور اُسے "ننہ جیم" (اماں جان) کہکر پکارتی، اور وہ نور مسرت جو اُس کی آنکھوں سے نکلتا۔ مہربان کے کُل خوف زائل کر دیتا، مہربان لڑکی کو گود میں اُٹھا لیتی۔ اور وہ پاکیزہ مسکراہٹ جو اس زندہ گُڑیا کے پیارے پیارے چھوٹے چھوٹے ہونٹوں پر ہوتی۔ مہربان کو تمام ہجوم آلام سے سپر کا کام دیتی۔ اور اپنی بچّی کی چمکدار آنکھوں میں وہ اُمید کی جھلک پاتی، مگر عورت تجھے کیا خبر ہے؟

⁂

(۴)

رمزی چیڑ کے درخت کی ایک شاخ ہاتھ میں پکڑے اور تنے
سے جسم ٹیکے ہوئے کھڑا تھا، گرمی کی چاندنی رات تھی۔ اور کوئی چھٹی
ساتویں تاریخ کا چاند اپنی ٹھنڈی روشنی ڈال رہا تھا۔ اور کل نیچر
مسرت آمیز خاموشی کے ساتھ اس نعمت سے فایدہ اُٹھا رہی تھی۔
رمزی کی نظر حمرا کے مکان کے دروازہ پر گڑی ہوئی تھی، دروازہ
کھلا رات کی خاموشی میں ریشمی لباس کی سرسراہٹ کے ساتھ۔
دو عورتوں کے شیریں اور نرم قہقہوں کی آواز مل کر رمزی کے کان
تک پہنچتے پہنچتے نہایت دھیمی ہو جاتی تھی، دونوں بہنیں اُدھر

آرہی تھیں۔ جہاں رمزی کھڑا تھا۔ جب دونوں بہنیں اُس درخت
کے قریب پہنچیں۔ تو رمزی کے چلنے کی گھڑبڑاہٹ سے چونک کر
حمرا کہنے لگی " ہیں، بہن یہ کیا ہے!" رمزی نے اپنے کوٹ کے
کاج میں سے ایک بنفشہ کے پھولوں کا گلدستہ نکال کے حمرا کو پیش کیا
اور کہا۔ " کیا آپ اس گلدستہ کو سونگھنے کی عزت بخشیں گی ؟"

حمرا نے ایک ہلکی سی چیخ مار کے کہا۔ " ایں یہ کون ہے ؟ رات
کا اُڑنیوالا (اُلّو) ہے " ؟

رمزی "۔ یہ وہ اُلّو ہے جو آپ پر سو جان سے فدا ہے۔" رمزی کی
زبان سے یہ آواز اس طرح کانپتی ہوئی نکلی تھی۔ کہ اس کا سمجھنا مشکل
تھا۔ قمرا نے اپنی بہن سے کہا۔ " اوں ہوں بہن یہ تو رمزی بک ہیں "
حمرا " (ذرا اکڑ کے) آپ یہاں کیا کرتے ہیں ؟ بتائیے ؟ یہاں
آپ کا کیا کام ہے ؟ کچھ جواب ہی نہیں ملتا۔ بولئے بولئے جلدی
بولئے ؟"

رمزی سخت مشکل میں پڑ گیا، حضرت کی سٹی گم ہو گئی۔ اور حضرت نے جو کہنے کے لئے فقرے رٹے تھے۔ سب بھول گئے۔ اور ہکے بکے ہو کر کہنے لگے "کچھ نہیں خانم آفندم۔ آج شام جب میں آپ کے مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تو میں نے آپ کو اپنی بہن سے کہتے سُنا۔ کہ آج شب کو آپ اس درخت کے نیچے بیٹھ کے چاندنی کا لطف اُٹھائیں گی، میں بھی اس غرض سے کہ آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں۔ کچھ... کچھ... درخواست... آپ کے پاؤں پر گر کر اور رو رو کر..."

یہ سُنتے ہی حمرا کی آنکھوں سے ایک شرارت آمیز چمک نکلی۔ اور اُس کے ہونٹوں پر ایک مستہزی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اور وہ کہنے لگی "خیر تو ہے۔ یہ تو نہایت ہی عجیب بات ہے۔ آپ میرے پاؤں پر گر کر اُٹھیں گے۔ اللہ فضل کرے۔ یہ تو میں نئی نئی باتیں سنتی ہوں، خیر اب آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ فوراً کہہ ڈالیے

اور جتنے آنسو گرانا ہوں۔ ایک سکنڈ میں گرا دیجئے۔ میں رُک رُک کے اور چبا چبا کے باتیں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتی۔ ہاں اور ذرا باتیں اور رونا ساتھ ساتھ نہ ہوں۔ کہئے کہئے کہئے؟ . . .
بس وقت ختم ہو گیا۔ میں واپس جاتی ہوں"۔

یہ کہہ کے حمرا اور قمرا اپنی گون کو ہاتھوں سے اُٹھا کے وہاں سے چلدیں۔ اور رمزی بھی ان دونوں نازک اداؤں کے پیچھے پیچھے ایسی بیتابی سے چلا۔ گویا وہ ایک سوئی ہے۔ جو مقناطیس کے پہاڑوں کی طاقت سوز کشش کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے عشق کے کا جھگڑا اُس وقت بہت زور شور سے چل رہا تھا۔ اور باوجودیکہ اُس کے دل میں بہت سے موانعات اور احتمالات کا گزر ہوتا تھا۔ تاہم وہ غیر اختیاری اضطراب کے ساتھ اُن کے پیچھے چلتا رہا۔ اور کہتا رہا "مجھ پر رحم کرو۔ میری حالت قابل رحم ہے"۔
حمرا تھوڑی دور آگے گئی ہو گی۔ کہ اُس نے کہا۔ "سنئے

رمزی بک! آج شام مہربان خانم کی کیفیت سے معلوم ہوگیا۔ کہ انہیں میرا اور آپ کا ملنا جلنا سخت ناگوار ہے۔ جب میں نے یہ ذکر چھیڑا۔ کہ میری سمجھ میں یہ منطق نہیں آتی۔ کہ میں رشتہ داروں سے کیوں اجتناب کروں۔ تو . . . "

رمزی (بات کاٹ کر)"۔ اس وقت تو مہربان کا ذکر ہی نہ کیجئے آفندم!"

اس گفتگو کے وقت اُن کا چلنا برابر جاری تھا۔ اب وہ ایک روش پر پہنچ گئے تھے جس کی دونوں جانب درخت تھے

حمرا نے جواب دیا"۔ مگر کیوں ذکر نہ کروں۔ کیا وہ آپ کی بی بی نہیں ہیں؟ اور آپ اس وقت انہیں مکان میں تنہا چھوڑ کر یہاں کیا کہنے کے لئے آئے ہیں؟"

رمزی۔" یہ عرض کرنے کے لئے کہ آپ کا عشق مجھ سے میری جان لے لیگا!"

اس پر حمرا نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ قہقہہ لگایا۔ اور کہنے لگی۔ اوہو۔ عشق۔ سودا۔ محبت۔ چاہنا! اللہ اللہ کیا باتیں کی جا رہی ہیں۔ اور خاص کر ان الفاظ کا تم جیسے آدمی کی زبان سے سُننا!

رمزی۔ واللہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ اور اس درجہ چاہتا ہوں۔ کہ دیوانہ ہو گیا ہوں۔

حمرا۔ "اپنی بی بی کو کیوں نہیں چاہتے"؟

رمزی۔ "میں تمہاری پرستش کرتا ہوں"۔

حمرا۔ "لیکن یاد رہے کہ تم مہربان کے خاوند ہو"۔

رمزی۔ "مگر تمہارا غلام ہوں"۔

حمرا۔ "ممکن نہیں"۔

رمزی۔ "کیوں نہیں۔ مجھ سے نکاح کر لیجئے"۔

حمرا۔ "اوہو۔ مگر کہیں تمہاری ان باتوں کو وہ سُن لے تو"؟

رمزی "سن لے تو سن لے۔ میں ہر بات کے لئے تیار ہوں میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اگر آپ میرے عشق کو۔ اُس عشق کو جو مجھے تباہ کر رہا ہے۔ رد کر دیں گی۔ تو میں مرجاؤں گا۔ میں زندہ نہیں رہ سکتا مجھ پر رحم کرو۔ یہ رمزی جو آپ کے حضور میں التجا کر رہا ہے۔ یہ سمجھ لیجئے۔ کہ یہ اک بے جان وجود ہے۔ اور اُس کی روح آپ کی ان گلرنگ ہتھیلیوں میں ہے "۔

حمرا "مگر لوگ کہتے ہیں۔ کہ تمہاری باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہئیے"

رمزی "میں سچ کہتا ہوں۔ کہ میں تمہاری پرستش کرتا ہوں۔ مجھے ردمت کرو۔ اگر تم میرے عشق کی شدت سے واقف ہوتیں تو"

حمرا "تمہیں یہ باتیں کرتے وقت اپنی بی بی کا خیال نہیں آتا؟"

رمزی۔ میں اُس کا مالک ہونا نہیں چاہتا۔ مگر تمہارا مملوک ہر روح کے دو حصے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس روح کی تکمیل کے لئے دونوں حصوں کا ملنا ضروری ہے۔ ایک حصہ دوسرے

حصے کو ہر جگہ تلاش کرتا پھرتا ہے۔ ہر روح اپنے مابقی نصف کو ہر خوبصورت چیز میں ڈھونڈھتی ہے۔ تو طلوع چاند میں تلاش کرتی ہے۔ ہر خرام موزوں میں تلاش کرتی ہے۔ جامہ زیبوں کے کپڑوں کی لپیٹ میں۔ سنہرے بالوں کے پیچوں میں دل خوش کن اور شیریں قہقہوں کی لوچ دار نغمہ ساں آوازمیں۔ دل آویز مگر مغموم اور ساکن گریہ میں۔ ریشمی چھتریوں کے سایہ کے نیچے۔ پراسرار نگاہوں میں۔ غرض کہ اس قمری کی طرح جو اپنے جوڑے کی تلاش میں پھڑپھڑاتی پھرتی ہو۔ ہر ایک روح اپنے جوڑے کی تلاش میں ہر جگہ بھٹکتی پھرتی ہے۔ عقل اور خیال اور حس ہر چیز کے ذریعہ سے تلاش کرتی ہے۔ اور اس قدر تلاش کرتی ہے۔ کہ تھک جاتی ہے۔ اور عاری آجاتی ہے۔ اور پھر بھی اگر وہ نصف جس کی تلاش میں ہے نہیں ملتا۔ تو زندگی سے بیزار ہو جاتی ہے۔ اور مل جاتا ہے۔ تو میری طرح ہر قسم کے موانعات اور رکاوٹ پر غالب آکر۔ ایک قدرتی

بخشش کے ساتھ اُس سے پیوست ہونا چاہتی ہے۔ میں تمہارے
صرف تمہارے واسطے پیدا کیا گیا ہوں۔ میری زندگی کو تکمیل
کو پہنچاؤ۔ میں بغیر تمہارے زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ خوشبو جو تمہارے
اس سرخ گون سے نکل رہی ہے۔ میری جان ہے۔ تمہارے
بوڈس (بالائی حصہ کا لباس) کی تہیں میری جان ہیں۔ یہ چھوٹے
چھوٹے پاؤں میری جان ہیں۔ تمہاری ہنسی۔ تمہارا فکر۔ تمہاری
شوخی۔ تمہاری متانت۔ غرض کہ تمہاری کل چیز اور تم میری جان
ہو۔ میں صرف تمہارے واسطے پیدا ہُوا ہوں۔ مجھے زندگی
بخشو۔ بغیر تمہارے میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

حمرا:"اللہ رے مسلسل تقریر۔ اور اللہ رے شاعرانہ خیالات۔
انہیں چھپوا کے شاعروں میں نام لکھوا یئے۔ آؤ بہن قمرا مجھے تو
سردی معلوم ہوتی ہے۔ اندر بیٹھیں۔"

اس سرد اور دل شکن جواب پر رمزی کی حالت بحران کی سی

ہوگئی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ مگر اب بھی اُس کا دل یہی چاہتا تھا۔ کہ حمرا کے پاؤں پکڑ لے۔ اور از سرِ نو اُس سے التجا کرنا شروع کرے۔ مگر حمرا اور قمرا اس عرصہ میں مکان میں داخل ہو چکی تھیں۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ مکان میں پہنچتے ہی حمرا سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ اور سر کا رومال اور نقاب اُتار کے پھینک دیا۔ اور ایک گھبراہٹ کا سانس لے کے کہنے لگی۔ "اللہ یہ کیا عجیب واقعہ ہوا ہے۔ اُف کہیں مہربان سُن لے۔ تو ہنسی میں گل پھنسی ہو جائے۔ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ پھر کیا کیا گفتگوئیں ہوں۔ اور دونوں میاں بی بی میں لڑائی کا باعث میں ہی ٹھیروں۔ اور پھر یہ ذکر آطہ سے نکل کے اسٹنبول تک پہنچے۔ سب رشتہ داروں اور دوست آشناؤں میں ہمارا ہی ذکر ہو۔ توبہ۔ توبہ۔ اور یہ صرف تھوڑے سے مذاق کا نتیجہ ہوا! تاہم اس میں شبہ نہیں۔ کہ رمزی کا عشق بالکل سچا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ دل سے کہتا ہے۔

اگر میں اس وقت ذرا سا اشارہ کردوں۔ تو خدانخواستہ وہ اپنی بی بی کو بھی طلاق دے دے گا۔ اس وقت بالکل بچہ بنا ہوا ہے۔ جو کہو وہ کرنے کو تیار ہے"۔

یہ کہہ کے حمرا اُٹھی۔ اور ایک ہفت گوشہ چھوٹی میز پر سے جس پر سیپیاں چپکی ہوئی تھیں۔ ایک سگرٹ[۱] کا بکس اُٹھایا پھر دیا سلائی جلا کر اور اپنے پتلے ہونٹوں میں سگرٹ رکھ کے جلدی جلدی دو کش لے کر سگرٹ روشن کیا۔ اور اُسی دیا سلائی سے ایک تین بتیوں والی شمع جو آئینہ کے قریب رکھی تھی۔ روشن کی۔ اس وقت کمرے کی وہ کیفیت تھی۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ اُس قد آدم آئینہ پر روشنی پڑنے سے جو چاپ پیدا ہوتی تھی۔ وہ پُر زور افق کی طرح معلوم ہوتی تھی اور کمرے کا کمانچہ گویا قوس قزح تھا۔ جس کے نیچے حمرا روشنی کی پری بنی کھڑی تھی۔

[۱] ترکی خاتونیں حقہ و سگرٹ پیتی ہیں۔ ان کے ہاں یہ عادت معیوب نہیں۔

لطف کے ساتھ سگرٹ کا کش لیتی ہوئی حمرا آئینہ کے سامنے
پہنچی۔ اور اپنے حسن واداکا خود تماشہ دیکھنے لگی۔ وہ بال جنہیں کس
چیز سے تشبیہ دیجاتے سونے سے ؟ نہیں کیونکہ وہ بالکل سنہرے
بھی نہ تھے۔ خزاں کے قرمزی پتّوں سے جنہیں صبح کی ہوا پریشان
طور پر بکھیرے پھرتی ہے ؟ ہاں۔ مگر خزاں کے پتّے مرجھائے ہوئے
اور خشک ہوتے ہیں۔ اور یہ بال چمکدار اور تراوت دار ہیں۔ اور وہ
گلرنگ چہرہ اور وہ عشوہ زا آنکھیں جن میں سے نگاہ بھی اٹکھیلیاں
کرتی نکلتی ہے۔ اور وہ قد موزوں جس کا دلکش تناسب صنعت
قدرت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ غرض ان سب چیزوں سے خود حمرا وجد
میں آگئی۔ اپنے عکس کو آئینہ میں دیکھ کر اور آپ ہی "بہت خوب
بہت خوب" کہہ کہہ کر اپنی دلربائی کا اعتراف کیا۔ اور تھوڑا سا مسکرا
کے سر کا اشارہ کیا۔ گویا اپنے عکس کو سلام کرتی ہے۔ اور پھر دو بارہ
اپنے دردندان۔ اپنے گول بازو۔ اپنی گوری گوری کلائیوں اور

دلوے پر ہاتھ رکھ کر اور گردن بائیں جانب جھکا کے) اپنی کمر۔ گردن وغیرہ کو محویت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور پھر خود ہی یہ باتیں شروع کیں نہیں۔ مہربان ڈرومت۔ میں تمہیں اپنا مدمقابل ہی نہیں سمجھتی۔ جو تم سے معرکہ آرائی کروں۔ تم مجھ سے بہت نیچے ہو۔ یہ میرے حسن کی شان کے خلاف ہے۔ کہ تم جیسی معمولی شکل کی عورت سے شرط باندھوں۔ کہ کون دلربائی میں زیادہ ہے، ہمسر اسکے مقابلہ کے لئے کوئی اور عورت ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی عورت ملے۔ ورنہ پری، او بیچارے رمزی تو اپنی قسمت پر صبر کر۔ تم تو کیا ابھی میں نے کوئی مرد اس قابل نہیں دیکھا۔ جو اس وجود کے مالک ہونے کی تمنا کر سکے۔ تمہاری آہ وزاری پر بیشک میرا دل دکھتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے"۔

بیشک وہ آنسو جن کا محرک دل ہوتا ہے۔ اور وہ آہیں جو دل سے نکلتی ہیں۔ کبھی بے اثر نہیں جاتیں۔ ایسے آنسوؤں کے قطرے چاہے کیسے ہی شور و سنگلاخ زمین پر گریں۔ ضرور وہاں ایک نہال

شفقت اُگے گا۔ حمرا جیسی عورت پر بھی اِس وقت رمزی کے آنسوؤں کا اثر ہُوا۔ مگر جتنی دیر میں وہ آنسو سوکھے۔ اتنی ہی دیر اِس اثر کے زایل ہو جانے میں لگی۔ یہ اثر لمحہ بھر کے لئے تھا۔ ورنہ کہاں حمرا اور کہاں یہ خیال!

حمرا نے کپڑے اُتارے اور پلنگ پر جاکر سونے کی غرض سے لیٹ گئی۔ پچھلے واقعات سے اس کی طبیعت نہایت خوش تھی۔ اور اس کے ہونٹوں پر اور آنکھوں میں ایک ابتسامِ مسرت پایا جاتا تھا۔

*

(۵)

ایک خط پہلے ہاتھ پڑ چکا تھا۔ اور یہ دوسرا خط تھا جو مہربان کو
اپنے خاوند کے کوٹ کی جیب میں ملا۔ کیسا خط؟ کہ جس کے پڑھتے
ہی مہربان کے تن بدن میں آگ لگ گئی"۔ تو یوں کہئے کہ رمزی کا
کل دل حمرا ہی کا ہوگیا۔ آہ اب زندگی بیفایدہ اور بیکار ہے۔ میں
کیسی بدبخت ہوں۔ ایک وقت تھا۔ کہ ہر شخص میری خوشی کا طالب
اور اب سب حتیٰ کہ خود رمزی اور حمرا مجھے جلا رہے ہیں!! اب عمر
میرے لئے ایک بار گراں ہے۔ کیوں اس بوجھ کو اتار کے نہ پھینک
دوں؟ رمزی جو کوئی بات بھی ٹھیک طور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ آج

اس کے لئے اشعار تصنیف کرتا ہے۔ رمزی کی زبان سے اب تک کوئی موزوں مصرع نہیں سُنا گیا تھا۔ وہی رمزی اب اس عورت کے عشق میں شاعر ہو گیا۔ اور اُسے کس جوش سے لکھتا ہے :-

خُندۂ گلروئے لطافت ہو تم - نورِ ہو تم روحِ محبت ہو تم ،
آئینۂ عرشِ ملاحت ہو تم - آفتِ ہنگامِ شباب ہو تم ،
تیرے ہی گو لطف نے زندہ کیا - خوف ہے دن رات مگر یہ لگا ،

جیتا نہ چھوڑے گا تو اے فتنہ زا۔
جان ہو فدا جس پہ وہ آفت ہو تم"

مہربان جب اس مصرع کو پڑھتی "تیرے گو لطف نے زندہ کیا" تو ہر مرتبہ مارے غصّہ کے پیچ و تاب کھاتی۔ اور کہتی۔ غضب خدا کا۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ اس کی میں تاب نہیں لا سکتی۔ اس بوجھ کے تلے تو میرا دل پارہ پارہ ہو جائے گا۔ رمزی اُس کمبخت رقیبہ کو کہتا ہے "خندۂ گلروئے لطافت ہو تم"۔ مگر کیا ان تمام نوازشہائے

کا حق صریح میرے لئے۔ صرف میرے ہی لئے نہیں ہے؟ حمرا کس طریقہ سے کس بنا پر اس حق کو غصب کر سکتی ہے"۔

اب مہربان کو یہ فکر تھی۔ کہ کسی طرح سے رمزی اور حمرا کے تعلقات کی وسعت اور تفصیلی حالات معلوم کرے۔ مگر اس کے لئے اُسے کیسی کیسی کوششیں کرنی پڑیں گی۔ اور کیا کیا جھوٹ سچ بولنا پڑے گا؟

مہربان اپنے خاوند کی دلدادہ تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں مگر اُن خطوط نے۔ ان نظموں نے جو اُس کے ہاتھ لگیں۔ نہ صرف اُن تکلیف دہ شبہات کو بڑھایا۔ جو اُس کے دل میں جاگزیں تھے۔ اور اس طرح مہربان کے عشق میں ایک قسم کا رخنہ ڈالا۔ بلکہ اُس کی عزت نفس کو بھی پامال کیا۔

اُسے رہ رہ کے یہ خیال آتا۔ کہ سب کچھ کرا دھرا حمرا ہی کا ہے جس نے میرے پیارے بھولے خاوند کو اپنے مصنوعی عشوہ وادا

سے پھانس لیا، یہ سوچتے ہی اُس کے صاف دل میں تاریک خیالات بھر جاتے۔ اور پھر جانے وہ کیا خوفناک ارادے کرتی۔ اور پھر اپنے عجز وضعف کو دیکھ کر خود ہی رونے لگی، عورتوں کی طبعیت کی طرح اس کی بھی طبیعت تھی۔ اور یہ خیال۔ کہ اس کی ملکیت اُس سے چھین لی گئی۔ اور اب وہ تن تنہا بغیر اپنے رفیق کے ہے۔ اُس کی زندگی تلخ کر رہا تھا۔ اور اُس کا اعتدال طبیعت غائب ہو جاتا تھا۔

رمزی آج کل رات دن لباس اور سنگار ہی کی فکر میں رہتا اور ہمیشہ نئے نئے کپڑے بدلتا۔ اور مہربان اکثر اپنے خاوند کے مُنہ کو جبکہ وہ آرایش میں محو ہوتا۔ دیکھتی۔ اور اُس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے۔ غرض کہ مہربان اپنے خاوند کی ہر حالت۔ ہر حرکت۔ ہر بات پر تجسس اور رنج کی نظر ڈالتی اور اُس کی زبان سے اک اک لفظ کو غور سے سنتی، رمزی جو نادانستہ کوئی لفظ کہتا وہ اُسے تڑپا دینے کے لئے کافی ہوتا۔ وہ راتوں کو نہ سوتی۔ اور اپنی

تجسس کو جاری رکھتی۔ کبھی رمزی کی جیب ٹٹولتی۔ کبھی اُس کی میز پر کے کاغذ پڑھتی۔ کبھی خواہ مخواہ خیال کرتی۔ کہ اس وقت وہ حمرا ہی کو خواب میں دیکھ رہا ہے۔ اور اکثر وہ اپنی تحقیقات میں کامیاب بھی ہوتی۔ کیونکہ کبھی اچانک کوئی پھول مل جاتا۔ جو اُسے رُلا دیتا کبھی کوئی پُرزہ ملتا اور کبھی رمزی کو خواب میں بڑبڑاتے سُن لیتی۔ جو گو صاف سمجھ میں نہ آتا۔ تاہم اتنا پتہ لگ جاتا۔ کہ رمزی کس کا خواب دیکھ رہا ہے ؞

مہربان کو یقین تھا۔ کہ اس کے خاوند نے غالباً اپنی والدہ سے اپنے لئے عشق کا حال کہہ دیا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ رمزی کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ مہربان کو نظر آتا تھا۔ کہ وہ بے رحم عورت اُسے اور شوق دلا رہی ہے۔ اس آتشِ عذاب میں کُھن کر مہربان اعتدالِ اخلاق سے بھی ہٹنے لگی۔ اُس نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ جو جلاتے ہیں وہ خود جلتے ہیں۔ اور جو بیوفا ہوتے ہیں اُن

کے ساتھ بیوفائی کی جاتی ہے۔ وہ سوچتی اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو سارا قصور رمزی ہی کا ہوگا۔ اگر میں اُسی کا طرزِ عمل اختیار کر دوں۔ کیونکہ مجھ میں بھی تو اُس کی طاقت ہے۔

اس کے دل میں یہ وسوسہ ترقی کرتا جاتا تھا" ہاں حالانکہ میں اپنے خاوند کو چاہتی ہوں۔ مگر یہ بھی تو ضرور ہے کہ وہ مجھے چاہے۔ میں اس وقت متروکہ بنی ہوئی ہوں۔ مگر کیوں؟ کیا میں معشوقہ نہیں ہو سکتی؟ . . . . زندگی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ اور جوانی بھی چند روزہ ہی ہوتی ہے۔ آہ رمزی۔ تو نے مجھے دھوکہ دیا۔ میرے ساتھ بیوفائی کی۔ مگر سب سے زیادہ غضب یہ کیا۔ کہ زندگی کا تاریک راستہ بھی دکھا دیا۔ میں بھی کیا تجھے فراموش کر کے تجھے دھوکا دے کر ایک مقہور زندگی نہیں گزار سکتی؟ آنسوؤں ہی سے سیراب کر کے سہی۔ مگر کیا میں ایک گلزار خیال نہیں پیدا کر سکتی؟ مثلاً سامنے کے مکان میں جو سنہری موچھوں والا جوان رہتا ہے۔ اور ہر دم

مجھ پر حسرت کی نگاہیں ڈالتا رہتا ہے۔ کیا صرف اک نظرِ شوق سے
اُسے تسخیر کر کے اُس کی پرستیدہ یگانہ نہیں بن سکتی؟ اور پھر اس
خیال سے کہ میں اُس کی معشوقہ [illegible] شادمانہ ہو کر کیا اپنے زخم جگر
کا علاج گو وہ تھوڑے سے ہی دنوں کا علاج ہو نہیں کر سکتی؟ اور اس
طرح اپنے پوشیدہ مگر موثر انتقام کو حاصل نہیں کر سکتی؟ اپنی زندگی
میں نے اپنے خاوند کو کس لئے سونپی تھی؟ کیا اس لئے نہیں۔ کہ
خوش گزرانی کے ساتھ زندہ رہوں۔ ایک خاندان پالوں۔ اُسے
خوش رکھوں۔ چاہی جاؤں اور محبت کی مالک رہوں؟ مگر آج یہ
تمام رابطے بالکل منقطع ہو گئے۔ میرا خاوند اب کسی دوسری کی خوشی
کو پورا کر رہا ہے۔ دوسرے کو چاہ رہا ہے۔ دوسرے کو پیار کر رہا
ہے۔ اب میرے لئے کیا رہ گیا!! انسان کی طبیعت میں چاہے
جانے اور پسند کئے جانے کی تمنّا تو فطری ہے۔ یہی خیال مجھے باور
کرانے کے لیے کافی تھا۔ کہ جب میں مر جاؤں گی۔ تو مجھے بھولتے بنے گی

مگر زندگی ہی میں بھوئے جانے سے۔ نہ چاہے جانے سے۔ ترک کئے جانے سے کیا میں دیوانی نہ ہوجاؤں گی؟ میں سمجھتی ہوں۔ کہ جتنی خودکشیاں ہوتی ہیں۔ اُن کا باعث یہی ہوتا ہوگا۔ کہ اپنے محبوب کی طرف سے فراموش کاری اور بیوفائی دیکھی۔ اور زندگی بھاری ہوگئی۔ بے رابطہ۔ بے فایدہ۔ بے رفیق۔ بے یار و مددگار زندگی اور ایسی زندگی کہ اپنے بعد کوئی نشان نہ چھوڑے سب کے لئے اور خصوصاً حسین عورتوں کے لئے تو وہ یاس انگیز عذاب ہے۔ جو عقل گم کردیتا ہے۔ ہاں۔ اگر اب مہربان مرجائے۔ تو رمزی اور حمرا میں یہ باتیں ہوں۔ اوہ۔ اُس رقیب سے نجات پائی۔ اب بس ہم ہیں۔ اور تم اب کوئی پریشان کرنے والا نہیں ہے +

غرض کہ مہربان اس قسم کے خیالات کا شکار ہوگئی۔ اور اُس کے دل میں راتوں کو (اُن راتوں کو جبکہ نہ نیند۔ نہ اُمید نہ کوئی تسلی دینے والا اُس کے پاس تھا) یہ خیالات بڑھتے۔ اور آہستہ آہستہ ترقی

کرتے۔ وہ نچاہئے تو نہ چاہے۔ لیکن مہربان کو اپنی چاہت پیدا کرنے کے لئے۔ ایک ترچھی نظر۔ ایک خندہ زیر لب ہی کافی ہے۔ اور جب وہ کسی کی چہیتی ہوگی۔ تو اس بات کا علم کہ رمزی سے انتقام لے لیا اُسے کس قدر شاد کام کرے گا۔ اور پھر وہ اپنے خاوند کے چہرے پر جس نے اُس کے عجز سے فائدہ اُٹھایا۔ کیسے اطمینان اور خوشی اور استہزا کی نظر ڈالے گی!

ازدواج کے دوسرے ہی برس اِس عورت کے دل میں اپنے دُرشت اور ناقدر شناس خاوند سے انتقام لینے کے لئے یہ ہوس پیدا ہوئی۔ کہ مردوں سے جیسی بیوفائی سیکھی ہے۔ ویسی ہی بلکہ اُس سے زیادہ اُن کے ساتھ کی جائے:۔

چنانچہ اس عمل کی طرف اُس نے پہلا قدم ڈالا۔ پہلی مرتبہ اُس جوان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ جوان کی طرف سے اُس کا جواب اسی طرح سے ملا۔ اور اُس نے اپنی گردن اس طرح جھکائی۔ گویا مہربان

کی نوازش اور مرحمت کا طلب گار ہے۔ مہربان نے نوجوان کے دل پر اپنی ذراسی ادا کے اثر کا تماشا دیکھا۔ اور پھر ادھر ادھر رمزی۔ اپنے فراموش گار۔ غفلت شعار اور بے وفا رمزی کے لئے یہ نظر دوڑائی اس لئے کہ اُسے یہ سماں دکھائے۔ اور کہے" تو اُس عورت کے پاؤں پڑتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ میں اُس منظر کو دیکھ کر ناخوش نہ ہوں گی لے تو بھی دیکھ اور ناخوش نہ ہو کہ یہ جوان گردن جھکائے ہے! اور میرے پاؤں پر پڑنا چاہتا ہے۔ رمزی! تو اُس عورت کو پیار کر میں بھی اس سے ہنسی مذاق کروں گی۔ کیوں ؟ اس بات پر راضی نہیں۔ اس نظارے کو ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتا؟ اس منظر کو دیکھتے ہی کیوں خون جوش مارنے لگتا ہے ؟

مگر رمزی اس درد انگیز مصیبت خیز نظارے سے ضرور ڈر جاتا۔ کیا معصوم عورتوں کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہو جائیں اور وہ اپنے آیندہ زمانے کو پائمال کرنے کا ارادہ کرلیں۔ تو اُس

سبب پر جو اُن معصوموں کو اس حالت میں لایا ہو۔ لعنت نہ بھیجتا؟

مہربان کے دماغ میں اس وقت ایک صرصر اضمحلال چلی۔ وہ گھبرائے کمرے سے نکلی۔ کہ اتنے میں دوسرے کمرے سے اس کی لڑکی کی آواز آئی:۔ "اماں جان میں یہاں ہوں"۔

مہربان نے جھٹ لڑکی گود میں لے کر سینہ سے لگا لیا۔ اُس کے خیالات نے اک دم پلٹا کھایا۔ اور اس لڑکی کی بھولی صورت نے جو اُسے نیکی کے فرشتے کا کام دیتی تھی۔ پھر مہربان کو اپنے اصلی اور پاکیزہ ارادے پر لا قایم کیا:۔ "نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں ایسے ادنیٰ اور ذلیل انتقام اور ادنیٰ مقابلے کی قابلیت نہیں رکھتی"۔

مہربان نے پھر ہمت باندھی۔ کہ ہر خطرہ کا مقابلہ کروں گی۔ اور اپنے خاوند کو راہ راست پہ لاؤں گی، اور اُسے اُس کی اُمید تھی!

(۶)

چنانچہ بیچاری مہربان اپنے تمام رنج دہ شبہات اور تکلیف دہ خیالات کو صبر سے برداشت کر رہی تھی۔ ہر رات رمزی کسی نہ کسی بہانہ سے حمرا کا ذکر چھیڑ دیتا۔ اور اس کی خوبصورتی۔ اُس کے حسن طبیعت۔ اُس کے دل آویز لباس اور اُس کے اعلےٰ درجہ کے پیانو بجانے کی تعریف کرتا۔ اور پھر ہنس کے یہ کہتا "مہربان اگر اجازت دو۔ تو میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں۔ اور پھر وہ ہم سب کو پیانو بجا کے خوش کیا کرے گی"+ اور جب رمزی یہ کہتا۔ اُس کی مظلوم بی بی سوائے آنسو گرانے کے اور کسی طریقہ سے جواب نہ

دیتی۔ آخر کار رمزی نے ایک دن حمرا کی محبت کا اعتراف کر ہی لیا
اور کہنے لگا" کیا کروں مہربان۔ اُس عورت کی صورت میری آنکھوں
سے نہیں نکلتی۔ اور اُس نے میری کل متانت کو زایل کر دیا" اور
یہ کہ کئی مرتبہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ مارا۔ مہربان کی حالت اُس
ضعیف بیمار کی سی تھی۔ جو سخت مرض میں مبتلا ہو۔ اور یہ جانتا ہو۔
کہ کچھ دن بعد ضرور مر جائے گا۔ پھر بھی پہلے سے زیادہ زندگی کو
چاہتا ہو اور ہر شخص سے زیادہ آیندہ کے متعلق اُمیدیں کرتا
ہو۔ مہربان اپنے خاوند کو اُس کی تمام بیوفائیوں پر بھی ازحد چاہتی
اور نسوانی طبیعت کے موافق ذرا سا بہانہ تلاش کرتی تھی۔ کہ رمزی
کی خطاؤں کو بھول جائے۔ اور اُسے معاف کر دے ۔:۔

تموز[1] کی ایک چاندنی رات کو رمزی بڑی رات گئے گھر واپس
آیا۔ اور اپنی بی بی کی مدد بغیر کپڑے اُتار کر پلنگ پر جا لیٹا۔ اور صبح

[1] ایک ترکی مہینے کا نام ہے ۔:۔

تک نیند میں "حمرا حمرا" کہہ کہہ کے زور سے بڑبڑاتا رہا۔ مہربان نے اپنے خاوند کی زبان سے یہ بیہوشی کی فریادیں سنیں۔ اور تمام رات چپکے چپکے روبا کی۔ رویا کی۔ بس رویا کی۔۔۔

صبح کو مہربان اپنے خاوند کو کپڑے پہنا رہی تھی۔ کہ رمزی اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔ "مہربان میں ایک درخواست کرتا ہوں۔ تم میری زندگی بچا سکتی ہو۔ ورنہ مر جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میری درخواست سے تمہیں بہت تکلیف ہوگی۔ لیکن، مجھ پر رحم کرو۔ اس کے بعد میں ہمیشہ سے زیادہ تمہارا غلام رہونگا میری حالت پر دل دکھاؤ۔ اور میری حمایت کرو"۔

۸۸۸

(۷)

مہربان کانپنے لگی۔ اور اگرچہ اُس کا دل بتا رہا تھا۔ کہ رمزی کیا
کہنا چاہتا ہے۔ تاہم اُس کی ہیبت اور وحشت سے بھاگنے کی
غرض سے پیچھے ہٹ گئی۔ اور اُسے نہ سُننے کے لئے اپنے زرد
چہرہ کو اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈھک لیا۔ پھر بھی اُس
کے خاوند نے آخری مرتبہ ہر ایک بات کا اعتراف کر لیا۔ کہ حمرا کے
ساتھ نکاح کرے گا۔ اور ایک دوسرے گھر میں اُسے رکھے گا۔
اور دو شب مہربان کے ہاں اور ایک رات اُس کے ہاں بسر کریگا+
اس کو سُن کر مہربان روئی نہیں اور نہ چیخی۔ بلکہ بُت کی طرح

ساکت رہ گئی۔ اور اُسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ گلے میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے۔ اور وہ سانس نہیں لے سکتی، آخر کار یہ کہا۔ "اُف رمزی چھپو چھپو"۔ رمزی نے رو رو کے کہنا شروع کیا۔ پیاری مہربان۔ تم نہیں جانتیں۔ کہ میں نے تمہیں کبھی اتنا نہیں چاہا۔ جتنا اس وقت چاہتا ہوں۔ اور ہمیشہ چاہوں گا۔ تم سے جدا نہیں ہو سکتا۔ مگر آطہ والی مجھے مار ڈالے گی، صرف تم بچا سکتی ہو۔ مجھے صرف اُس کے ہاتھ میں مت چھوڑو۔ پیاری مہربان!"

بدبخت مہربان اس کی تاب نہ لا سکی۔ اور بیہوش ہو گئی جب ہوش آیا تو کہنے لگی "بہت خوب۔ بہت خوب۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنی ماں کے گھر جاؤں گی۔ مگر میری لڑکی مجھے دیدو۔۔۔ اور بس۔ مجھ سے اُس کا ذکر مت کرو" یہ کہتی ہوئی اور روتی ہوئی وہاں سے اپنی بیٹی کو گود میں لینے کو چلدی، اُس کمرے سے باہر ہی نکلی تھی۔ کہ مہربان نے اپنی ساس کو دیکھا۔ کہ دیوا سے لگی

کھڑی ہے۔ اور گویا سب حال جانتی ہے۔ پھر بھی مہربان کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ کیوں۔ کیوں۔ کیا ہوا؟"

رمزی مہربان کے پیچھے پیچھے آتا رہا۔ اور کہتا رہا "بہت اچھا جو تمہاری رائے ہو۔ وہ کرو۔ مگر میری پیاری مہربان۔ یہ وعدہ کرو کہ تم مجھے معاف کر دو گی"۔ مگر مہربان اس کا جواب دینے کیلئے نہ ٹھیری اور برابر دروازہ کی طرف چلتی رہی۔ رمزی نے مہربان کو پکڑ کر اس کے زرد ضعیف رخساروں کو چومنا اور یہ کہنا شروع کیا "خبردار۔ مجھ سے علیحدہ ہونیکی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہاری حسرت میں زندہ رہونگا۔ اور ہاں ٹھیرو۔ اپنا رات کا کُرتا مجھے دیجاؤ۔ میں اُسے بطور تمہاری یادگار کے رکھوں گا۔ اور اُسے چوما کروں گا۔ خدا کیواسطے مجھے چھوڑ نا مت۔ ایک ہفتہ اپنی ماں کے پاس جا رہو۔ اور آرام کرو۔ میں پھر تمہیں جا کے لے آؤنگا"

مہربان اپنے تئیں چھوڑا کر اپنی لڑکی اور اس کی دائی کو لے کر گاڑی میں جا بیٹھی۔ اور نہ رمزی کو جواب دیا۔ اور نہ سُنا کہ وہ کیا کہتا رہا۔

(۸)

"اماں۔ اپنے آپ کیوں ہنس رہی ہو؟"

"کچھ نہیں بیٹی۔"

"وہ زرد زرد مستعمل کاغذ تمہارے ہاتھ میں کیا ہیں؟"

"یہ اُس قرض کی سندیں ہیں۔ جو واپس نہیں ملا۔"

"یہ تو پُرانے خط معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں بیٹی۔"

بات یہ تھی۔ کہ آج مہربان اپنی چودہ برس کی بیٹی کے سامنے اعتراف حقیقت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہاں وہ کاغذ بیشک ایک

ایسے قرض یعنی عشق کی سندیں تھیں۔ جو واپس نہیں ملا، وہ پرانے خط تھے۔ جو ایک اشعار کی کتاب میں رکھے ہوئے آج ملے تھے۔ اور ایسے پھول کی پتیوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ جن کا رنگ و بو کتاب میں رکھے رکھے غائب ہو چکا ہو۔ تاہم وہ ایک پرلطف زمانے کی یاد دلاتے تھے۔ اور اس وجہ سے مہربان کے نزدیک ان کی قدر قیمت بہت زیادہ تھی۔

مہربان کی بیٹی رعنا نے اپنی ماں کے مبہم جوابات سے یہ خیال کر لیا۔ کہ وہ کسی ایسے کام میں مشغول ہے۔ جس کی خبر مجھے نہیں کرنا چاہتی۔ اور پھر اس بات سے خوش ہو کر کہ میری مغموم ماں آج کچھ اپنا غم بھولے ہوئے ہے۔ اور اُسے اس حال میں جہانتک ہو سکے رکھنا چاہتی۔ ایک بہانے سے باہر چلی گئی، اور جب مہربان کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ تو اُس نے پھر اُن خطوں کو پڑھنا شروع کیا۔

آہ! ان گذشتہ چودہ سالوں میں کیا کیا کچھ نہ ہو گیا؟ اس وقت

اس عورت کے دماغ میں کل مصیبت خیز ماضی کا نقشہ پھر گیا۔ جب مہربان اپنے خاوند کے گھر سے چلی آئی تھی۔ تو اس کی ماں۔ اور اُس کی ساس دونوں نے رمزی سے اصرار کیا۔ کہ مہربان کو طلاق دیدے، مہربان کی ماں نے تو اس لئے کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسے متلون مزاج۔ ناقابل اعتماد شخص کے ہاں نہ رکھنا چاہتی تھی۔ اور اُس بے رحم ساس نے اِس لئے کہ اُسے مہربان سے بغض للّہی ہوگیا تھا، اس دوطرفہ اصرار کو رمزی رد نہ کرسکا۔ ادھر حمرا نے رمزی کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کردیا۔ اور تھوڑے دنوں کے لئے اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں دوسرے شہر میں چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے رمزی کو بیحد نا اُمیدی اور غصّہ پیدا ہوا، اسی زمانہ میں اُسے کونسل کا عہدہ مل گیا۔ اور وہ کوپن ہیگن میں عثمانی کونسل مقرر ہوکر چلا گیا۔ اور حمرا کی بیوفائیوں اور کج ادائیوں پر اُسے جلانے کے لئے پھر مہربان سے وعدہ کر گیا۔ اور اپنے عہدہ پر پہنچ کر بھی

انہیں وعدوں کی تکرار بذریعے خطوط کے کی۔ کہ اب میں اپنے والد
کی ثروت کا محتاج نہیں رہا۔ اور انشاء اللہ دو سال بعد پھر اپنی آغوش
اپنی پیاری مہربان کے لئے کھولوں گا۔ اور گزشتہ مصیبتوں کو بھول
کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم خوش رہیں گے۔ آہ! اس عورت کیواسطے
جواب بھی اپنے خاوند کی شیدا تھی۔ یہ وعدے کیسے خوش کن۔ اور
کیسے امیدیں دلانے والے تھے۔ لیکن ناظرین خیال کر سکتے ہیں
کہ ان دونوں کی اُمیدیں کیسی بے بنیاد اور شرع کی لاعلمی پر مبنی
تھیں۔ وہ اب کس طرح نکاح کر سکتے ہیں؟ بہرحال رمزی کے وہ
خطوط جو وہ اپنے مقام ماموریت سے بھیجا کرتا تھا۔ اس وقت مہربان
کے ہاتھ میں ہیں۔ اور وہ اس جھوٹے دغاباز آدمی کے ان الفاظ
کو غصہ مگر پھر بھی کچھ شرم کے ساتھ پڑھ رہی ہے۔ "یورپ کی
پریشانیوں سے میں تمہارا ہی خیال کر کے نجات پاتا ہوں۔ رات
کو پڑا ہوا اپنی پیاری مہربان کے تصور میں گزارتا ہوں۔ انشاء اللہ

دو سال بعد استنبول آؤں گا۔ اور پھر ہم ایک جگہ ہوں گے۔ اور پھر سب پچھلی باتیں فراموش کر دیجائیں گی۔ یہ دو سال بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ خیر تمہارے فوٹو ہی کو پیش نظر رکھ کر اپنی تسلی کرتا ہوں ہاں جب آؤں گا۔ تو اپنی بچی کو بھی تو دیکھوں گا۔ اپنی پیاری بچی کو گود میں لوں گا۔ مگر تم اُس کی بھی تصویر بھیجدو"۔

بیچاری بھولی عورت کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تھے۔ تو وہ رمزی کی سب بیوفائیوں اور جفاؤں کو بھول گئی۔ اور اُس نے اُسے محبت آمیز جواب لکھے تھے۔ لیکن آخری خط کا بہت دنوں تک جواب نہ آیا۔ تو اُسے خیال ہوا۔ کہ شاید پہنچا نہیں۔ دوسرا خط لکھا۔ اُس کا جواب نہ ملا۔ دو برس اس طرح گزرے۔ کہ مہربان کو خبر ملی تو یہ ملی کہ رمزی کی ماں کو اس تمام خط کتابت کی اطلاع ہو گئی۔ اور اُس نے نہایت شدت کے ساتھ رمزی سے اِس معاملہ میں اپنی ناراضی ظاہر کی۔ اور لکھا۔ کہ دیکھو اگر تم اس حرکت سے باز نہ آؤ گے۔ تو یاد

رکھو۔ کہ میں تمہیں سخت سزا دے سکتی ہوں۔ میں تمہیں اپنی فرزندگی سے خارج کر سکتی ہوں۔ مہربان کو ایسی دشمنی کی اُمید نہ تھی۔ اور اور اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ میں نے رمزی کی ماں کا ایسا کیا بگاڑا ہے۔ جو وہ اس طرح پیچھے پڑی ہے ۔

آخر کار ایک دن اس ضعیف اور چاہنے والے دل پر وہ آخری اور سب سے زیادہ سخت چوٹ آلگی۔ جس نے اُسے پارہ پارہ کر دیا۔ اُسے معلوم ہوا۔ کہ رمزی نے وہیں کسی یورپین عورت کے ساتھ شادی کر لی۔ اُف ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور اُس کا ضعیف وجود اس صدمہ کی برداشت نہ کر سکا۔ صاحب فراش ہو گئی۔ اور شدید بخار میں مبتلا ہو گئی کسی کو اُس کی زندگی کی اُمید نہ رہی۔ اور خود وہ موت کی طالب تھی۔ اور معلوم بھی یہی ہوتا تھا۔ کہ موت ایک افعی کی طرح اُس کے جسم سے لپٹ گئی ہے۔ اور اُس کے کل جسم میں قطرہ قطرہ زہر ڈال رہی ہے۔ مگر موت مانگے سے نہیں آتی۔ بخار اُتر گیا۔ اور مہربان بستر سے اُٹھی۔ تاہم ہر وقت

نا اُمیدی اور غم کی تصویر بنی رہتی تھی۔ مہربان کی ماں اُسے تسلّی دینے سے عاجز آ گئی۔ اور ہمیشہ اُس کے خوش کرنے کی تدبیریں سوچتی تھی۔ ایک دن مہربان جو ہمیشہ تنہا کونے میں پڑی رہتی تھی۔ اپنی ماں سے کہنے لگی ”اماں۔ میں تو اس تنہائی سے گھبرا گئی“ بیشک، ماں بھی اُسے اس تنہائی سے نکالنا چاہتی تھی۔ قصّہ مختصر یہ ہے۔ کہ مہربان کی ماں نے سخت اصرار کیا۔ دھمکیں دیں۔ خوشامد کی۔ اپنے مادرانہ حقوق جتلائے۔ اور سب اسواسطے کہ مہربان کریم آفندی کے ساتھ جسے درخواست کرتے پورا سال ہو گیا تھا۔ نکاح کرلے۔ کریم آفندی ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ جس کی بیوی مر چکی تھی۔ اور دوسری بی بی کی تلاش میں تھا۔ غرضکہ مہربان کی ماں اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مصر تھی! اور مہربان کے الفاظ دہرا دُہرا کے اُسے مجبور کرنا چاہتی تھی۔ اور کہتی تھی۔ کہ ”مکرو مت۔ تمہیں نے کہا۔ کہ اماں میں تو اس تنہائی سے گھبرا گئی“۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ سعادت و اقبال جن سے بیوفائی کرتے ہیں۔ اور سفالت جن کی ناخوش رفیق ہوتی ہے، یہ بیچارے مصیبت کے مارے ایک اضطراب سے نکلتے ہیں۔ آہستہ آہستہ بغیر اس علم کے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ دوسری رنج و الم کی دلدل میں جاکر پھنس جاتے ہیں، ملال کی جانب انہیں ایک طبعی کشش ہے۔ رونا اُن کی قسمت میں ہے۔ ذرا ہنسے بولے۔ کہ گھبرا اٹھے۔ اور خود شرما گئے۔ کہ ہم نے کیا کیا؟ ایسے بازیچۂ قضا۔ تشنۂ جفا۔ ستم دیدہ شخصوں کو ہم لوگ بدقسمت کے نام سے یاد کرکے اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ان کی حالت دیکھنے سے اپنی نظر پھیر لیتے ہیں!

خیر! یہ رائے زنی کا وقت نہیں، مہربان اُس الم رقابت سے ڈر کر جو اس بات سے پیدا ہوا تھا۔ کہ رمزی اب کسی اور کی آغوش میں ہے۔ اور اُسے بھولے ہوئے ہے۔ تنہائی سے بیحد گھبرا اُٹھی تھی۔ کیونکہ ہر وقت اُسے وہی خیال ستاتے رہتا تھا، آخر کار ایک

ہفتہ کے روز وکالتاً نکاح کا اعتراف کیا۔

یہ نکاح کا ارادہ علاوہ اس وجہ کے جو بیان ہو چکی ہے۔ زیادہ تر اس وجہ سے بھی تھا۔ کہ رمزی سے انتقام لیا جائے۔ مہربان کا مزاج اور کیرکٹر ہمیں اتنا صاف معلوم ہو گیا ہے۔ زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ جو کام نہیں پسند کرتی۔ وہ جوش اور غصّے کی حالت میں انتقام کے خیال سے کر گزرتی ہے۔ اس وقت اُسے یہ خیال تسلی دے رہا تھا۔ کہ جب رمزی اس نکاح کی خبر سُنے گا۔ تو اُسے کیسا اضطراب ہوگا۔ عورتوں کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ تشبیہ بالکل صحیح ہے مگر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے۔ کہ مایوسی اور غصّہ کے زمانہ میں وہ سراپا خار ہیں۔

مہربان جب کریم آفندی کے پاس پہنچی۔ تو اُس نے اپنے خاوند کا اور اس کا مقابلہ کیا۔ اور اپنے دل میں سوچنے لگی "خدا کی شان ہے۔ ساری زیادتی۔ شرارت، رمزی کی طرف سے ہوتی ہے

پھر بھی خوش وہی رہتا ہے۔ نئی نویلی دُلھن کو آغوش میں لیئے ہے۔
اور رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ اور میں بیگناہ۔ بے قصور اس بڈھے
کی گود میں ہوں۔ اب میں شکایت کی آواز بھی نہیں نکال سکتی۔
یہی لکھا ہے تو کیا کیا جائے۔ کہ وہ میرے ضعف سے فایدہ اٹھائے
اور میرے عجز سے مستفید ہو۔ اور میں اس طرح مروں گی۔

کریم آفندی پچاس کے لگ بھگ ہوگا۔ مگر اپنے تئیں جوان بنانے
کی کوشش کرتا تھا۔ اور اپنی دولت کی شان سے اپنی عمر کو گھٹانا چاہتا
تھا۔ مگر اس کی مسکراہٹ جھریاں۔ نہ دل پر اثر کرتی تھیں۔ اور سارے
چہرے کی جھریاں اُس کی تاریخ پیدائش کی قدامت بتا رہی تھیں۔

مہربان کے لیئے اب سوائے اپنی بچی کے کون تھا جس پر اپنا
محبت بھرا دل نثار کرتی۔ رات دن اسی کو چاہتی۔ اسی پیار کرتی۔ اور
پھر بھی اُس کی محبت ترقی ہی کرتی جاتی تھی۔ کریم آفندی اس کو بھی
رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور خیال کرتا تھا۔ کہ بیٹی پر جو بے انتہا

محبت کا اظہار ہے۔ یہ اُس پچھلے خاوند کی یاد کی وجہ سے ہے۔ اور اس خیال سے اُس کا خون جوش مارتا +

پورے پانچ سال مہربان نے کریم آفندی کے ہاں گزارے۔ یہ پانچ سال عذاب جہنم سے کم نہ تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتی تھی۔ کہ کریم آفندی کی آنکھ میں اس کی بیٹی کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ مگر وہ مہربان اب ان تمام تکلیفوں کو قناعت سے سہ رہی تھی۔ کیونکہ ان مصیبتوں سے اُس نے صبر سیکھ لیا تھا۔ لیکن ایک شام کو اُس کی بیٹی روتی ہوئی مہربان کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی "بابا نے بلاوجہ میری تحقیر کی۔ اور مجھے طعنہ دیا۔ آخر کس کے صلب سے ہے۔ تجھ سے تو یہ حرکتیں سرزد ہوں ہی گی +

یہ طعنہ کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ خود تو برداشت بھی کر لیتی مگر بیٹی رعنا کو ذلیل کرنا یہ برداشت نہ ہوگا۔ یہ ہرگز برداشت نہ ہوگا! فوراً مہربان رعنا کو لے کے زمزی کے ہاں سے نکلنے کی طرح خاموشی

اور صبر کے ساتھ نہیں۔ بلکہ چیختی چلاتی اور غضبناک ہوتی ہوئی اس آدمی کے گھر سے نکلی اور پھر اپنی ماں کے ہاں آگئی ✤

یہاں پہنچکر اُسے آرام ملا اور اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت اور اُسکی خوشی کی جستجو کے سوا مہربان نے دُنیا کی خواہش اور ہر اُمید ترک کردی لڑکی جب بڑھی تو اپنے پہلے خاوند کا ابتدائی عشق اور اس زمانہ کی مسرت کا نقشہ مہربان کی آنکھوں میں پھرنا شروع ہوگیا۔ کیونکہ جوں جوں رعنا کی عمر بڑھتی دوں دوں اپنے باپ سے شباہت میں حرکت میں بات چیت میں مشابہ ہوتی جاتی۔ اور لڑکی نے جب ہوش سنبھالا۔ تو وہ اکثر اپنے باپ کا حال پوچھا کرتی۔ ان سوالوں پر سوائے اس کے کہ مہربان رونے لگتی۔ اور اپنی طبیعت کو روکتی۔ مگر ہچکیاں بندھ جاتیں رعنا کو اور کوئی جواب نہ ملتا۔ رعنا نے جب دیکھا۔ کہ ان سوالوں سے ماں کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو آیندہ اُس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے باپ کا نام نہیں لیا ✤

الغرض آج اُن خطوں کو پڑھ کر گزشتہ زمانے کے کل حالات اس کے دماغ میں پھر گئے۔ اور اس نے خطوں کو تہ کر کے پھر صندوق میں رکھ دیا۔ اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کے کہا" آہ بے بس عورت کی ذات "!۔

سات برس ہو گئے ہیں۔ کہ اسی طرح بے امل۔ بے نیاز۔ اور اُداس زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور اپنی بیٹی کے آیندہ زمانہ کی خوشی کا ہر وقت خیال پیش نظر رکھتی ہے۔:۔

(۹)

ایک دن مہربان کو اطلاع ملی۔ کہ رمزی استنبول میں واپس آگیا ہے۔ اور وہ یورپین بیوی اُس کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ رمزی کے واپس آنے کا سبب وہی یورپین عورت ہوئی ہے۔ وہ عورت بارہ سال تک اُس کی بیوی رہی۔ اور ایک دن ایک شخص کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس بے حرمتی کی رمزی برداشت نہ کر سکا۔ اور اپنا عہدہ اور نوکری چھوڑ کر چلا آیا۔ یہ ایسی ضرب تھی۔ جس نے رمزی کو تباہ کر دیا۔ اب اُس کی شکل ایسی تبدیل ہو گئی تھی۔ کہ اُس کے دوست آشنا جو اسے بازار میں ملتے۔ اُسے نہ پہچان سکتے تھے۔ اس صدمے نے

اک دم اس کی عمر میں سالہاسال کا فرق کر دیا۔ کمر جھک گئی۔ بال یکایک
سفید ہو گئے۔ آنکھوں میں ایک وحشت سی پیدا ہو گئی۔ چہرہ مرجھا گیا
اور وہ رمزی جو پہلے اس قدر متلوّن۔ بے چین۔ ہرجائی پُر ہوس
اور پُر اَمل تھا۔ اب مغموم اور بت کی طرح ساکت رہتا تھا ۞

استنبول میں واپس آکر رمزی نے اپنی بیٹی رعنا کو دیکھنا چاہا۔
اس طرح رعنا اپنے باپ کے ہاں آنے جانے لگی۔ رعنا کو اپنے باپ
کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔ اور اُس کا دل بہت کڑھتا
تھا۔ لیکن اُس کو اتنی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ اُس کے ماں باپ میں
جو تفرقہ پڑ گیا تھا۔ اُس کا سبب دریافت کرے۔ رمزی اپنی بیٹی کو
جو اُسے چودہ پندرہ برس کے بعد ملی تھی۔ اپنی جان کے برابر سمجھنے
لگا۔ اور اُس پر نوازش اور تحفوں کی بھرمار کر دی ۞

رمزی اکثر رعنا سے کہا کرتا۔ کہ "رعنا تم اپنی ماں سے کس قدر
مشابہ ہو۔ بالکل وہی صورت وہی شباہت ہے۔ جو تمہاری ماں

کی اُس وقت تھی۔ جبکہ میں نے اُس سے شادی کی، سارے عادات،
ساری حرکات اُنہیں کے سے ہیں۔ بات کرنے میں لفظوں کے
آخری حرفوں کو جلدی سے بالکل اُسی طرح چھوڑ جاتی ہو جیسے تمہاری
ماں چھوڑ جاتی تھیں"۔

ناظرین کو خیال ہوگا۔ کہ مہربان رعنا کی صورت و حرکات سمرزی
سے مشابہ پاتی تھی، اصل بات یہ ہے۔ کہ دونوں اپنی اپنی نظر سے
دیکھتے تھے۔ اور رعنا میں باپ اور ماں دونوں کی بعض بعض عادتیں
بعض شباہتیں موجود تھیں۔

رعنا کی سیاہ آنکھیں۔ سنہرے بال۔ گلابی چہرہ اور سب سے
بڑھ کر چہرہ کا بھولا پن سب کی نظروں کو اپنی جانب مائل کر لیتا تھا
اور اُس کے دل آویز حسن کا چرچا بہت جلد استنبول کے گھرانوں
میں ہونے لگا۔ اور بہت سی جگہوں سے مانگ آنے لگی۔ آخر
ایک دن مہربان نے ایک امیر کی درخواست کو جس کا مہربان سے

پُرانا بہنا پا بھی تھا منظور کرلیا۔ اور اُس کے لڑکے کے ساتھ رعنا کی
شادی کرنے کا وعدہ کر دیا۔ اب تک جتنے گھرانوں سے درخواستیں
آئی تھیں۔ مہربان نے انہیں رد کر دیا تھا کیونکہ اس خیال سے اُسے
نہایت تکلیف ہوتی تھی۔ کہ اب اس کی پیاری بیٹی اسے چھوڑ کے
دوسرے کے گھر چلی جائے گی۔ اور مادرانہ عمیق محبت جو اُسے اس
خود غرضی کی تحریک کرتی تھی۔ کہ رعنا کو اپنے پاس سے جُدا نہ ہونے
دے۔ سیکڑوں بہانے اُس کی طبیعت میں پیدا کر دیتی۔ کبھی وہ
خیال کرتی۔ کہ ابھی لڑکی کی عمر کم ہے۔ کبھی طلبگار گھرانے کو عمدہ
نہ سمجھتی۔ غرض کہ ایسی بنا پر ٹالے بالے بتا دیتی۔ مگر آخری درخواست
ایسی جگہ سے ہوئی۔ اور ایسی اچھی تھی اور خود رعنا کی اپنی خواہش
اس طرف معلوم ہوتی تھی۔ کہ مہربان کو اس وقت اس درخواست
کو منظور کرنا ہی پڑا۔ اگرچہ اس نے بہت اضطراب کے ساتھ منظور
کیا۔ اور پھر رعنا سے نہایت رنجیدہ مگر پھر بھی متین آواز سے کہا۔

"بیٹی جاؤ۔ اپنے باپ سے بھی اجازت لے آؤ" جس وقت اُس نے یہ فقرہ کہا۔ بحر ماضی کے اُفق سے خیال کی مانسون اُٹھی۔ اور گھٹا ئین دل سے ٹکرائی۔ اور آنکھوں سے پانی برسا گئی۔ جس کے قطروں کو فوراً اُس نے اپنے باریک رومال سے پونچھ لیا +

مہربان اپنی چہیتی بیٹی کے زمانہ مستقبل کے لئے اپنے تلخ تجربوں۔ دل شکن واقعات اور بدبین حالات سے اندازہ کر کے بہت خوف کھاتی تھی۔ اور سوچتی تھی۔ کہ میری زندگی کی کمزور عمارت جسے زلزلۂ قضا نے بیخ بنیاد سے ہلا ڈالا ہے۔ گو کمزور ہے۔ مگر پھر بھی اتنی کمزور نہیں۔ کہ اپنی ناساز اور منحوس قسمت وراثتاً اس معصوم بچی کو نہ دے جائے۔ مہربان اس خیال سے کانپ اُٹھتی تھی مگر اپنا رنج اپنا وہم کسی سے نہ کہتی تھی۔ اور چونکہ اس کی قوت معنویہ اس قدر پریشان ہو گئی تھی۔ کہ وہ سوائے اذیت اور اضطراب کے اور کچھ اپنی قسمت میں بدا ہی نہ سمجھتی تھی۔ اس لئے اُس کو خواہ مخوا

ایسا نظر آتا تھا۔ کہ آخرِ عمر میں بھی اسے چین نہ ہوگا۔ اور وہ قبر میں بھی تڑپے گی +

یہ سوچتے سوچتے اُس سگرٹ کے دھوئیں میں جو وہ پیتی ہوتی۔ اسے ایک تصویر سی نظر آتی۔ کہ رعنا کے پتلے پتلے ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں۔ اور وہ کانپ رہی ہے۔ اور جس طرح مہربان اپنی ماں کی گود میں آکر گر گئی تھی۔ اسی طرح رعنا بھی مہربان کی گود میں آگری ہے۔ اور فریاد کر کے کہہ رہی" اماں جان! اماں جان مجھے بچاؤ۔ اور اُس کے پیچھے اُس لڑکی کا خاوند گھونسا تانے ہوئے آرہا ہے + یہ تصویر دیکھ کر مہربان بے ہوش جاتی۔ اور اُس کا سر کوچ کی ٹیک پر بے اختیار گر پڑتا + مگر ہم پھر کہتے ہیں۔ اے عورت تجھے کیا خبر ہے ؟

(۱۰)

رعنا جب اپنے باپ سے اجازت طلب کرنے کے لئے گئی۔ تو اُس کے برتاؤ سے سہم گئی۔ کیونکہ رعنا کے سوال کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ایک دم اُسے چُپ لگ گئی۔ پھر اُس نے اپنا سگرٹ جو بجھ گیا تھا۔ جلایا۔ اور خوب زور زور سے کش لینے شروع کئے۔ سگرٹ کا دھواں جو اُس کے سامنے جمع ہو رہا تھا۔ اس پر نظر گاڑ دی۔ اور استغراق کے عالم میں چلا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک باطنی بحران اُسے تکلیف دے رہا ہے۔ رعنا لجاتی اور شرماتی ہوئی اپنے باپ کے سامنے کھڑی تھی۔ اور اُس کے قطعی

حکم سُننے کی منتظر تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ اور آنکھیں قالین کے سرخ پھولوں پر گڑی ہوئی تھیں۔

پھر رمزی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کبھی مونچھوں کو دانتوں سے کاٹتا۔ کبھی کھچڑی داڑھی کو ہاتھ کی کل انگلیوں سے چوکور بناتا۔ اور کبھی بیچ کے حصّے کو انگلیوں سے مروڑتا۔ یکایک سیدھا لڑکی کے پاس آیا۔ اور جُھک کر اُس سے آہستہ سے پوچھا۔

"رعنا! یہ شخص جو انتخاب کیا گیا ہے۔ اسے تو چاہتی ہے؟"

بیچاری رعنا شرم اور گھبراہٹ کے مارے کوئی جواب نہ دے سکی رمزی پھر کہنے لگا۔ "بتاؤ اگر میں کہوں کہ یہ شخص تمہارا خاوند نہ ہوگا تو تمہیں تکلیف ہوگی۔ بتاؤ سچ سچ بتاؤ۔ کیا تمہیں رنج ہوگا؟"

لڑکی ایسی ضیق اور تکلیف کی برداشت نہ کر سکی۔ اور اپنے باپ کی اس بیہودہ حرکت سے جس کی اُسے ہرگز اُمید نہ تھی۔ اُس پر وہ اثر ہوا۔ کہ وہ رو پڑی۔ اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ آنکھیں

اب بھی نیچے ہی کو جھکی ہوئی تھیں۔ اور وہ اپنے باپ کو اپنے آنسو نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اور ایک تسلیم اور سکون کے طرز سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ اور اس وقت وہ سمجھ رہی تھی۔ کہ میری ماں کو جو اس شخص سے نہانی نفرت ہے۔ وہ بالکل درست اور حق بجانب ہے۔

اُسے روتا دیکھ کر رمزی کہنے لگا "روتی ہے۔ تو بس رعنا معلوم ہو گیا۔ کہ تو اُس شخص کو ضرور چاہتی ہے۔ یہ بات ہے۔ تو لے سُن۔ کہ یہ شادی نہ ہو گی۔ اور تو اُس شخص کی بیوی نہ بنے گی"۔

رعنا اب تک ایسے لاڈ پیار میں پلی تھی۔ کہ اُس کی ذرا سی خواہش اور ذرا سی ہٹ بھی کبھی رد نہیں کی گئی تھی۔ مگر آج وہ دیکھ رہی تھی۔ کہ یہ شخص جسے صرف ایک سال بھر سے اُس نے دیکھا ہے۔ اور چونکہ لوگوں نے کہا ہے۔ کہ یہ تیرا باپ ہے۔ تو اُسے باپ خیال کرتی ہے۔ غرضکہ ایسا شخص کس بیرحمی کے ساتھ گویا

کبھی اُس نے شفقت کا نام ہی نہیں سُنا۔ اُس کے سوال کو جو معمولی سوال نہیں ہے۔ بلکہ جیسے دل سے تعلق ہے۔ یوں ردکر رہا ہے۔ ضعیف اور دل ہی دل میں گھٹنے والی عورتیں بھی ناچار ہو جاتی ہیں۔ تو اُن میں ایک غیر معمولی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رعنا نے بھی ایسی ہی جرأت سے مگر پھر بھی رو رو کر اور بھرائی آواز سے کہا۔ "کیوں ؟"

اس سوال پر رمزی کی طبیعت میں اک سخت ہیجان سا پیدا ہوا۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ رو دے گا۔ مگر اُس نے اپنے اعتدال طبیعت اور اقتدار مزاج کو قائم رکھ کے جواب دیا۔ "پوچھتی ہے۔ کیوں ؟ تو نہیں جانتی ؟ سُن تو شادی کر کے چلی جائے گی۔ اور تیری ماں تنہا اور بے رفیق رہ جائے گی۔ وہ ترکیب نکال۔ کہ تیری ماں تنہا نہ رہے۔ اور میں اس طرح خراب و خستہ اور وہ اس طرح مایوس و پریشان نہ رہیں۔ ایسی ترکیب نکال۔ اور پھر تو بھی

شادکام اور کامیاب ہو۔ سمجھی؟"

رعنا اس وقت خوشی سے اُچھل کے اور بابا جنم! بابا جنم! بابا جان۔ بابا جان!" کہتی ہوئی رمزی سے لپٹ گئی۔ اور یہ بڈھا شخص اس وقت اپنی بھیانک آنکھوں سے استرحام اور ندامت کے آنسو گرا گرا اپنی بیٹی کے سنہری بالوں کو بھگو رہا تھا۔ یہ وجد و استغراق کا دل آویز سماں تھا! دونوں خوشی کے ہیجان سے رو رہے تھے۔ اور اب رعنا اپنے باپ کے مطلب کو سمجھ گئی تھی"۔ اب میرا باپ میری ماں سے پھر اور اس مرتبہ آخری عمر کے لئے صلح کرنا اور دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔" اسے اپنی شادی کا خیال ذرا بھی نہ رہا۔ اور اپنے والدین کے صلح کرانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ فوراً رعنا نے ٹھان لیا۔ کہ اپنی ماں سے التجا کروں گی۔ اور ہٹ کروں گی۔ اور اُن کی رقت قلب سے مجھے کامل یقین ہے۔ کہ وہ مان جائیں گی ۔

رمزی رعنا کے خیالات کو سمجھ گیا۔ اور اُس نے رعنا پر ہزاروں بوسہ شفقت کی بھرمار کر دی۔ اور پھر رو کر کہنے لگا ؂

"بیٹی اپنی ماں سے کہنا۔ کہ میں بدقسمت ہوں۔ میں ذلیل ہوں رذیل ہوں۔ مگر اب نادم ہوں۔ اور عفو کا طالب ہوں۔ معاف کرو بیٹی۔ تیرا باپ تیری ماں کا آیندہ سے مطیع غلام ہو کے رہیگا۔ دیکھ میں رو رہا ہوں۔ بتا! جس طرح تو نے مجھے معاف کیا۔ وہ بھی مجھے معاف کر دے گی؟ بتا؟

دو مہینے بعد رمزی مہربان کے سامنے اشک ندامت گرا رہا تھا۔ اور رعنا شاداں و فرحاں اپنے دلدادہ خاوند کو خوشی کے گانوں سے وجد میں لا رہی تھی۔ اور اس طرح زمانہ نے جو بچھڑوں کو ملا دیتا ہے۔ اُس اُجڑے اور ویران گھر کی بھی اُس لڑکی سے تعمیر کرائی ؂

تمام شد

ادبی تصانیف

شیخ حسن۔ روحانیات کے متعلق یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اور چشم دید واقعات پر مبنی ہے۔ دنیا میں جنوں کا وجود ہے یا نہیں؟ روحیں دُنیا میں بلوائی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ انہیں عامل کس طرح بُلاتے ہیں؟ روحوں کے اقتدار میں کیا کچھ ہے؟ ان سب باتوں کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ شیخ حسن کی دردناک داستان اور رشیدہ کا الم ناک انجام آنکھوں میں آنسو بھر لاتا ہے۔ عالم ارواح کا بیان بدن کے رونگٹے کھڑے کرتا ہے۔ اور مصطفےٰ اور علی دونوں بھائیوں کے کیریکٹر اس قدر عمیق، مکمل اور دلچسپ ہیں۔ کہ بہت کم اُردو ناولوں میں بیان کئے گئے ہوں گے۔ از مولوی سید ممتاز علی صاحب ۱۲ار

پریم بتیسی۔ حصہ اوّل و دوم۔ ہندوستان کے بے نظیر افسانہ نویس منشی پریم چند مصنف پریم بتیسی کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ آپ ہی نے اُردو زبان میں مختصر افسانہ نویسی کی بنیاد ڈالی۔ اور تھوڑے سے

عرصے میں اس کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ آپ کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت۔ حیا۔ خوف خدا۔ شجاعت اور آزادی ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے پریم بتیسی آپ کے بتیس تازہ ترین مختصر قصوں کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ قصّے ہیں جو ہندوستانی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں گے۔ غیر ممکن ہے۔ کہ کوئی منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے۔ قیمت حصّہ اوّل عہ حصّہ دوم عہ

ماہ عجم۔ از مصوّر غم مولوی راشد الخیری دہلوی۔ فاروق اعظم کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے نظیر جنگی کارنامے فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار شمع وطن پر قربان ہونا۔ حسن و عشق کے جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں۔ تو ماہ عجم پڑھئے۔ قیمت قسم اوّل عہ قسم دوم عہ

سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے کی
دیگر تصانیف

دارالاشاعت پنجاب لاہور سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے کی دیگر تصانیف شایع کرنے کا انتظام کر رہا ہے۔ عنقریب سید صاحب موصوف کے متفرق مضامین کا دوسرا مجموعہ یعنی خیالستان حصّہ دوم شایع ہونے والا ہے۔ اس میں آپ کے وہ تمام باقی مضامین۔ افسانے اور جواہر ریزے شامل ہوں گے۔ جو ملک کے مختلف رسائل شایع ہو کر بے انتہا مقبول ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سید صاحب کی دیگر تصانیف زہرا۔ اور جلال الدین خوارزم شاہ عنقریب نہایت حسن و خوبی سے طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں ہوں گی انتظار فرمائیے +

ان کے علاوہ دارالاشاعت ہندوستان کے اور مشہور انشاپردازوں کی تصانیف بھی شایع کر رہا ہے۔ فہرست کتب طلب کر کے ملاحظہ فرمائیے +

فہرست کتب مندرجہ ذیل پتے سے مفت مل سکتی ہے +

دارالاشاعت پنجاب

۱۹۵ ریلوے روڈ لاہور

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور باہتمام میاں نورالحق صاحب